المحاضرة

افسر لوتھر

قیمت ....

الاستبصار

ہمارا ملک جس مذہبی تشتت و انتشار سے گزر رہا ہے وہ کسی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اسلام اور مسیحیت میں جو مشترکہ تعالیم پائی جاتی ہیں ان کی موجودگی میں بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کے خلاف کچھ نہیں سکھاتے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ہیں ہی نہیں بلکہ ایک ہی مذہب کے دو نام ہیں۔

فاضل مصنف نے اسی مرکزی خیال کو لے کر "المحاضرة" نامی رسالہ لکھا جس کے مطالعہ کے بعد بہت حد تک اہل اسلام کے وہ شکوک رفع ہو جائیں گے جو وہ اہل کتاب کے بارے میں رکھتے ہیں۔ علی الخصوص الکتاب یعنی بائبل کی تواریخی صحت اور الہامی حیثیت کے متعلق جو غلط فہمی قرآن و حدیث کی ضد میں اہل اسلام میں رائج ہو گئی تھی اس کا بے بنیاد ہونا از خود ظاہر ہو جائے گا۔

ہم ذاتی مصنف کو شخصی طور سے جانتے ہیں اور بارہا

پیش باز

مناصرۃ عربی زبان میں یا تو ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے کو کہتے ہیں۔ یا دو آدمیوں کے مختلف اور الگ الگ دو راستوں سے چل کر ایک جگہ مل جانے کو کہتے ہیں۔ اب چونکہ میری غرض اسلام اور مسیحیت کو ایک جگہ لانا ہے۔ جہاں خدا ہی سب میں سب کچھ ہو" (اکرنتھیوں ۱۵/۲۸) اس لئے میرے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے مناصرۃ کا لفظ موزوں ہے۔

وہ مسیحی جو اپنی تنگ نظری اور کوتاہ بینی کے باعث میرے مفہوم کو سمجھ نہ پائیں۔ ان کی توجہ مسیح خداوند کے قول مندرجہ (لوقا ۹ باب ۵۰ آیت) اور (اعمال الرسل ۱۰/۳۵، ۱۱/۱۷-۱۸) کی طرف منعطف کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اور ان سے "خداوند یسوع مسیح" کے سے مزاج کی توقع و مروجہ اعلیٰ حکومتوں کے تابع رہنے کی درخواست کرتا ہوں۔ تاکہ قرآن ان کے خیالات عالیہ اور افکار جلیلہ سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ بنا بریں ہم یہ جانتے ہیں کہ مصنف موصوف نہ صرف ایک بہترین دوست بلکہ قرآن و عربی کے بے پناہ فاضل ہیں۔ انہوں نے درسی طور پر بھی عربی زبان کو بی۔ اے تک مطالعہ فرمایا ہے اور مذاہب عالم سے خصوصاً اسلام و قرآن سے علیٰ وجہ البصیرت واقف ہیں

مختصراً یہ کہ انہوں نے پیش نظر رسالہ لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اور یوں انہوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں ہر دو پر احسان عظیم فرمایا ہے شاید ان کی اس پیش کش سے مسلمان اور عیسائی بھائی قریب سے قریب تر آ جائیں۔ کیوں کہ یہ نہ صرف مذہبی "تلقین" ہے بلکہ ملکی استحکام کے لئے بھی ناگزیر ہے۔ یہ بات بھی شدید ضرورت کی بات ہے۔

ملک صدیق احمد، زیڈ۔ یوخان	انور گوئینڈری
از	از
"وفاق" "عوام"	از "کامران" سرگودہا

المناصرۃ

قبل ازیں کہ میں نفس مقالہ کو زیر قلم لاؤں چند جمل ایسے تحریر کر دینا انسب و اوجب سمجھتا ہوں جو اسطار مستقبلیہ کے لئے بمنزلہ توطیہ و تمہید کے ہوں۔

مسیحیت اور اسلام کو قریب و عزیز جانتے ہوئے سولہ سال سے دونوں مذاہب کا مطالعہ پہلو بہ پہلو کر رہا ہوں۔ حق یہ ہے کہ یہ سبق میں نے اسلام ہی سے سیکھا ہے اور پھر مسیحیت بھی اس کی معاضد و موئد ہے لکھا ہے "اُسے منع نہ کرنا جو تمہارے خلاف نہیں وُہ تمہاری طرف ہے" (لوقا ۹/۵۰)

قرآن نے گمراہ نصاریٰ کو پکار کر کہا تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم انتھی اور اپنے دامن مغفرت اور نوید بخشش کو عیسائیوں ہی تک نہیں بلکہ صابئین تک وسیع فرما دیا چنانچہ ارشاد فرمایا بارے میں صحیح معنوں میں فخریہ کہہ سکے لتجدن اقربھم مودۃً للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذلک ان منھم قسیسین و رھباناً و انھم لا یستکبرون یعنی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں تم ان کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں اس کا سبب ہے کہ ان میں پادری اور مشائخ ہیں اور پھر یہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔ (مائدہ رکوع ۱۱)

مسلمان برادران سے بھی عرض ہے کہ وہ اہل الکتاب کے ساتھ تمسخر اور استہزا کے رویہ سے پیش نہ آئیں۔ کیوں کہ ارشاد ہے لا تتخذوا قومی من قوم اور اہل الکتاب کے لئے تو علی الخصوص ہدایت ہے کہ جادلھم بالتی ھی احسن تاکہ مسلمانوں اور اہل الکتاب میں وہ گہرا رشتہ پھر سے قائم ہو جائے جس کے باعث وہ باہم سرکلت (مائدہ) و مصالحت کر سکتے ہیں۔

آخر میں میری دعا ہے کہ یہ یارش و کوشش عند اللہ و عند الناس ماجور و مقبول ٹھہرے

۱۴ ستمبر ۱۹۶۴ء — مقصود (سرگودہا)

اِنّ الّذِین اٰمنو والذین ھادو والنصریٰ والصابئین مَنْ اٰمن باللّٰہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجر ھم عند ربھم ولاخوف علیھم ولاھم یحزنون (البقرہ ۶۲)" یعنی یوں ہے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو کوئی یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور کام کیا نیک تو ان کو ہے ان کی مزدوری اپنے رب کے پاس اور نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غم کھاویں" (مطابق شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی)

خود رسول عربی نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا انا اولی الناس بعیسیٰ ابن مریم کہ میرا عیسیٰ بن مریم سے (لوگوں میں سے) سب سے قریب کا تعلق ہے۔

فلھذا ہر مسلمان اور ہر مسیحی کو اس قریب ترین ناطہ ورشتہ کا تعلّم وتعلیم ناگزیر ہے کہ دونوں مذاہب مسبوق الذکر ہستی باری تعالیٰ کے مقر ہیں۔ فرمودہ بائبل "ابتدا میں خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا" کتاب پیدائش تکوین باب اوّل آیت اوّل۔ فرمانِ قرآن بھی اس

سے تطابق تام رکھتا ہے لکھا ہے قل من رب السموٰات والارض قل اللّٰہ یعنی پوچھو کون ہے آسمانوں اور زمینوں کا رب خود ہی جواب دیا گیا کہو اللہ۔

نہ صرف مسیحیت اور اسلام ہستی باری تعالیٰ میں ہم زبان ہیں بلکہ وحدتِ ایزدی میں بھی دونوں برابر کے شریک ہیں ملاحظہ ہو کتاب مقدس مرقس ۱۲/۲۹ اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ معہذا سورۂ بقر ۱۶۲ والھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمن الرحیم یعنی تمہارا رب اکیلا رب ہے۔ کسی کو پوجنا نہیں اس کے سوا بڑا مہربان رحم والا۔

یہاں پہنچ کر مجھے قارئین کرام کے ایک خلجان کا خیال آ گیا اور وہ یہ کہ جب نصوص کتب نصاریٰ واہل اسلام سے یہ منصوص ہے کہ خدا تعالیٰ واحد ہے اور یہ قبولہٗ طرفین ہے تو قرآن مجید میں مذکور نصاریٰ کو اہل تثلیث مان کر تردید کیوں کر مذکور ہے؟ چنانچہ لکھا ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلٰثۃ (مائدہ آیہ ۷۷) اور پھر کہ یااھل الکتٰب لاتغلوا فی دینکم غیر الحق

تو اس کے لئے فی الجملہ اسی قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ قرآنی مردود تثلیث کا مفہوم اللہ کے ساتھ دو اور خدا یعنی عیسیٰ اور بی بی مریم ماننے کا عقیدہ ہے اور یہ امور حقیقی مسیحی عقیدہ کے خلاف ہیں۔ مسیحی لوگ تو ایسے عقیدہ کے ماننے والوں کو قرآن اور اسلام ہی کی طرح کافر اور مشرک کہتے اور مانتے ہیں اور نہ ہی وہ بشریت عیسیٰ کو اقنوم ثانی کہتے ہیں فافھموا

عود الی المقصود

○ دونوں مذاہب وجود ملائکہ کے بھی قائل ہیں چنانچہ بائبل میں مسطور ہے خدا کے سب فرشتے اسے سجدہ کریں (عبرانی ۱/۶) قرآن میں بھی وارد ہے واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم یعنی "اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو (البقر ۳۳)

نہ صرف دونوں مذاہب وجود ملائکہ کے قائل ہی ہیں بلکہ دونوں مذاہب تجسم وجود "ناری" کے بھی قائل ہیں چنانچہ بائبل میں خدا کے فرشتگان کے تجسم کا ذکر کئی مقامات میں ملتا ہے بطور نمونہ ایک مقام کی طرف اشارہ کرتا ہوں قضاۃ ۱۳ باب ۹

آیت ہے لکھا ہے " اور خدا نے منوحہ کی عرض سُنی اور خدا کا فرشتہ اس عورت کے پاس جب وہ کھیت میں بیٹھی تھی پھر آیا" ۶ آیت میں ذکر ہے اس عورت نے جا کر اپنے شوہر سے کہا کہ ایک مردِ خدا میرے پاس آیا اس کی صورت خدا کے فرشتے کی صورت کی طرح نہایت مہیب تھی تب منوحہ نے جانا کہ وہ خدا کا فرشتہ تھا (آیت ۲۲) اصح کتاب بعد قرآن شریف یعنی بخاری شریف جلد اوّل صہ۱۲ میں ذکر ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں فاتاہ رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آیا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جس وقت جبرائیل علیہ السلام تشریف لے گئے تو پھر آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ کون تھا صحابہ کرام اجمعین نے عرض کی نہیں یارسول اللہ۔ تو صحابہؓ کرام کو جبرائیل علیہ السلام کا علم ہوا۔

(۳) دونوں مذاہب انبیاء کرام پر ایمان وایقان رکھنا بھی ضروری ولازمی سمجھتے ہیں کتاب مقدس میں

لکھا ہے اسی نجات کی بابت ان نبیوں نے بڑی تلاش اور
تحقیق کی جنہوں نے اس فضل کے بارے میں جو تم پر
ہونے کو تھا نبوت کی پھر آدمی روح القدس کی تحریک
کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے (۱ پطرس
۱/۱۰، ۲ پطرس ۱/۲۱) پھر اب اور کیا کہوں اتنی فرصت
کہاں کہ جدعون اور برق سمسون اور افتاہ اور داؤد
اور سموئیل اور نبیوں کا احوال بیان کروں (عبرانیوں ۱۱/۳۲)
اسی طرح قرآن میں لکھا ہے قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ
عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ
مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
(آل عمران ۸۳ آیت)

قرآن کی اس آیت سے ظاہر ہے کہ نہ صرف انبیاء
پر ایمان لانا ضروری اور واجب ہے بلکہ انبیاء کی
کتب منزل من اللہ پر بھی جنانی و لسانی رکھنا تقاضائے
اسلام ہے۔ انجیل میں بھی لکھا کہ "اس نے اُن سے
کہا اے نادانو! اور نبیوں کی سب باتوں کے ماننے

میں سست اعتقادو! کیا مسیح کو یہ دُکھ اٹھا کر اپنے
جلال میں داخل ہونا ضروری نہ تھا؟ پھر موسیٰ سے
(تورات) اور سب نبیوں (زبور و دیگر صحف مکرمہ)
سے شروع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اس
کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ ان کو سمجھا دیں (انجیل مطابق
لوقا ۲۴/۲۵-۲۷) معہذا قرآن میں بھی الکتاب (بائبل) کے
الہامی الاصل ہونے پر کثیر آیات موجود ہیں از آں
جملہ ایک یہ ہے

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ
وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید آیت ۲۴)
یعنی ہم نے اپنے بھیجے رسول۔ کھلی نشانیاں دے
کر اور ہم نے اتاری ان کے ساتھ الکتاب (یونانی
بائبل) یعنی میزان (حق و باطل) تاکہ لوگ قائم رہیں
انصاف پر۔ پس دونوں مذاہب نہ صرف انبیاء اللہ
پر ایمان راسخ (الایمان:۔ اقرار باللسان تصدیق
بالقلب وثبوت بالعمل) کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ ان تعلیمات
کے منبع و مصدر الکتاب یا بائبل کا الٰہی الاصل ہونا بھی

سکھلاتے ہیں اور کسی الٰہی الاصل کلام میں تغیر و تبدل کے
امکان کا تصور بھی دونوں مذہبی کتابوں کی نصوص کے خلاف
ہے۔ کتاب مقدس (بائبل) میں لکھا ہے "خدا کا کلام ابد
تک قائم رہے گا" (۱ پطرس ۱/۲۵) قرآن کا ارشاد
ہے لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ (سورہ یونس آیت ۶۴)

چونکہ بائبل یا الکتاب پر سب سے بڑا اتہام
و افترا یہ ہے کہ یہ محرف و مبدل ہے اس لئے اپنے
ناظرین سے استسماح و معذرت کے بعد اس الزام
کی تردید میں چند مصمت قرآنی شواہد پیش کروں گا۔
اور اس میں میرا مرام اور مدعا قرآن و حدیث کی
مخالفت و مکاذبت نہیں بلکہ ایک غلط خیال کی
معاندت ہے جو قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ کے
خلاف میرے نادان احباء میں رواج پا کر عام ہو چلا
ہے۔

قرآن مجید کو طائرانہ نگاہ سے پڑھنے والے پر بھی
یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ
کتاب موصوف جملہ کتب مقدسہ منزل من اللہ کی تصدیق

و تلقین و بحالی عظمت و منزلت میں ایک ممتاز مقام
رکھتی ہے اور یہ وہ کتب ہیں جو زمانہ نزول قرآن
اہل الکتاب (یہود و نصاریٰ) میں مروج تھیں اور ان
کا مطالعہ بڑے احترام وعقیدت سے کیا جاتا تھا۔ اگر
کسی کو اس بیان کی صحت میں شبہ ہو تو وہ (۱) يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا
مَعَكُمْ (النساء) (۲) هَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ (انعام) (۳) لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ
الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ
وَهُمْ يَسْجُدُونَ وَيُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ
فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (آل عمران)

آیات کے معانی و مطالب پر غور فرمائیے اجمالاً
تشریح لکھ دیتا ہوں پہلی آیت میں مصدق تصدیق
سے بنا ہے جو بذات خود صدق سے اور باب تفعیل
سے ہے اور تصدیق کا مطلب ہے "سچا سمجھنا اور
سچائی کا اعلان کرنا" پس بروئے آیت مذکور قرآن

پہلی کتابوں کو سچا سمجھتا ہے اور انکی سچائی کا اعلان فرماتا
ہے اور وہ کتابیں کہیں گم نہیں ہوئیں بلکہ لِمَا مَعَكُم
یعنی جو بھی اہل الکتاب کے ساتھ ہیں۔
آیت نمبر ۲ میں بھی یہی حقیقت بین یدیہ
کہہ کر ظاہر کی گئی ہے اور جو چیزیں بین یدیہ یعنی
سامنے ہو اس کے متعلق گمشدگی کا شبہ بکف چراغ ندارد
" خانی شل کا مصداق ہے " آیت نمبر ۳ میں بھی یہ
وضاحت کی گئی ہے کہ وہ کتابیں کہیں اُڑ نہیں گئی ہیں۔
بلکہ انہیں اہل الکتاب راتوں کو اٹھ اٹھ کر سجدہ ریز
ہو کر پڑھتے ہیں اور وہ لوگ صالح ہیں۔ ایک اور
نکتہ جو ان آیات سے سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ
قرآن مجید ان کتُب کی تصدیق نہیں فرماتا جو حضرت
موسیٰؑ، جناب داؤدؑ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام
پر نازل ہوئیں بلکہ ان کی جو یہود و نصاریٰ کے پاس
ہیں۔ اور پھر اگر یہ کتابیں محرّف و مبدل ہوتیں تو اللہ
تعالیٰ ان کتابوں کی تصدیق کیوں فرماتے ؟ اگر کسی تمسک
میں ردو بدل ہو تو کوئی ذمہ دار اور قابل اعتبار شخص

اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اگر حقاً تورات و انجیل محرّف
ہیں تو اللہ تعالیٰ کو کیا تصدیق کرتے وقت اس تحریف
و تبدّل کا علم نہ تھا ؟ کیا اس میں رسولِ عربی محمد کی دلداری
پیشِ نظر تھی۔ اگر ایسا نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر جن کتب
میں اللہ اور رسول کو کوئی خرابی و قباحت نظر نہیں آتی
مُدعیانِ تحریف کو بھی نظر نہیں آنی چاہیئے۔
(۴) قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنّا انزلنا
التوراۃ فیھا ھُدًی ونور یحکم بھا النبیون الذین
اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما
استحفظوا من کتاب اللہِ وکانوا علیہِ شہداء
فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا بآیاتی
ثمنا قلیلا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک
ھُم الکافرون (المائدہ) یعنی ہم نے تورات کو نازل
کیا ہدایت اور نورؔ اس میں ہے اسی کے رُو سے انبیاء
مُسلم اور ربانی اور احبار یہودیوں پر حکومت کیا
کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کیوں کہ انبیاء مسلم
اور ربانی اور احبار سے احکام الٰہی مندرجہ کتاب

اللہ تورات امام کی اجزاء کی حفاظت اس طرح سے
چاہی گئی تھی کہ انہیں کے مطابق حکمرانی کریں اور
وہ لوگ اس پر گواہ بھی تھے پس اے محمدؐ تو
مطابق احکام الٰہی مندرجہ توریت امام کی حکومت
کرتے ہیں۔ لوگوں سے مت ڈر مجھ سے ڈر اور
میری آیتوں کے عوض میں کم قدر دنیاوی قیمت
مت لو اور جو کوئی احکام نازل کردہ خدائی
تعالیٰ کی رُو سے حکمرانی نہیں کرتا ہے وہی لوگ
کافر ہیں۔
آیت کا مطالعہ علی وجہ التفصیل یوُں ہو گا۔ انا
انزلنا التوراۃ انا حصر کے واسطے جس کا مطلب
یہ ہے کہ تورات امام کو اور کوئی نازل کرنے والا
نہیں مگر اللہ تعالیٰ ۔ پھر فرمایا فیہِ ھدی ونوُر
جو جملہ اسمیہ ہے دوام اور ثبوت پر دال ہے یحکم
کا فعل مضارع ہے یہ بھی استمرار کے معنی رکھتا
ہے جس کا مطلب ہے ہمیشہ حکم کریں گے مُسلم انبیاء
اور اس سے بھی یہی لازم ہے کہ تورات نہ کبھی محرّف

ہوئی نہ منسوخ ہوئی اور نہ ہی کبھی اس پر ایسے الفاظ
استعمال کئے جاسکیں گے کیوں کہ اس کی رو سے حکومت
کرنا استمراری امر ہے اور اس کے رُو سے حکم دینے
والے انبیاءِ مُسلم ہیں اگر تورات محرّف و منسوخ ہے
تو پھر کیا انبیاء نے محرّف و منسوخ کتاب کی رو
سے حکم دیا ؟ حاشا و کلا یحکم بِھا میں بھا مفعول بہٖ
بواسطہ حرفِ جر کے ہے النبیّون مقدم ہے اور مقدم
ہونا مفعول کا فاعل پر اختصاص پر دال ہے جس کا مطلب
ہے کہ اسی توریت کی رُو سے انبیاء حکومت کیا کرتے
تھے اور محمدؐ رسُول عربی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور
کئی امور میں رسول عربی کا تورات کے مطابق حکم
کرنا ظاہر ہے قصاص اور رجم اسی قبیل سے ہیں۔
آگے لکھا ہے النبیون الذین اسلموا اس سے
ثابت ہے کہ وہ نبی جو انبیاء تورات کے مطابق
حکومت نہیں کرتے وہ مسُلم ہی نہیں۔
رسول عربی کو اسی آیت کے جزو فلا تخشوا الناس
واخشون ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً میں ترک عمل

توراۃ سے مخالفت کی گئی ہے ۔ تفسیر در منثور
اور مجمع البیان بھی اس بیان پر صاد کرتی ہیں ۔ یہ
آیت وضاحت کے ساتھ عدم تحریف در کتب
توراۃ کی مزید توثیق کرتی ہے ۔

۳۔ اوپر کہیں میں نے لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ
اپنی کتب کو بڑی عقیدت، احترام اور خدا خوفی
سے پڑھتے تھے ۔ انہوں نے صحائف کے الفاظ
و حروف تک گنے ہوئے تھے تاکہ کتابت کے
وقت کوئی حرف تک نہ رہ جائے ۔ مندرجہ بالا
آیت میں قرآن نے بیان کیا کہ صحائف مکرمہ کی
حفاظت و صیانت کے لئے احبار اور ربانی مقرر
تھے ۔ تاریخ نے قرآن مجید کے اس بیان کی تصدیق کی
ہے ۔ چنانچہ محافظین توراۃ کا بیان ہے کہ :۔

الف تمام کتب مقدسہ میں ۲۲۳۷۷ مرتبہ استعمال ہوا
ب " " " ۳۵۲۱۸ " "

و امنتھی

اور پھر کتب مقدسہ کی کتابت کے لئے ان ربانیوں

نے ایک خاص قسم کی سیاہی تیار کی تھی ۔ جو دیر تک
مدھم نہیں پڑتی تھی ۔ اس کے اجزاء شہد، کاجل
اور کوئلے پر مبنی تھے اور پھر اس کے علاوہ وہ کتب
صرف حلال اور پاکیزہ جانوروں کی کھال پہ لکھی جاتی
تھیں ۔ ان حالات میں کتب مقدسہ یا الکتاب میں
"تحریف" وھل ھذا الا الجنون ! کیوں کہ یہ تو
ایسا بیان ہے کہ انہوں نے کتب مقدسہ کی حفاظت
بھی کی اور نہیں بھی کی کیوں کہ اپنے ایمانی امور میں
تخریب و تحریف کی کیا یہ دو اضداد کو ایک جا کرنا
نہیں جو باطل اور محال ہے ۔

۴۔ عربی زبان میں ایک مشہور قاعدہ یہ ہے کہ
جب حرف جار مجرور کا متعلق مذکور نہ ہو تو وہاں
موجود اور کائن کو محذوف مان لیا جاتا ہے اب اس
قاعدہ کی رو سے آیت انا انزلنا التوراۃ فیھا
ھدًی و نور کی تفسیر یہ ہوگی کہ ہم نے توراۃ نازل
کی جس میں ہدایت و نور موجود ہے ۔ ہدایت و نور موجود
تھا نہیں بلکہ "ہے" اب تحریف و تصریف جیسی

ظلمت کی موجودگی میں نور و ہدایت کا وجود کیوں کر ہو
سکتا ہے سوا اس اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟
کہ وہ کتب مقدسہ غیر محرّف و مبدل اور نور و ہدایت
سے پُر تھیں ۔

میں سمجھتا ہوں مافوق حقائق اس امر کے ثبوت کے
لئے کافی اور وافی ہیں کہ کتب مقدسہ منزل من اللہ
نہ تو منسوخ ہوئی ہیں اور نہ ہی محرف و مبدل ہے ۔
پس مسیحی مسلم مذہب فی الحقیقت جدا جدا مذاہب
کیوں کہ ان میں جو مشترکہ غیر منفک تعلیمات پائی
جاتی ہیں ان کی نظیر دنیا کے کسی دو مذاہب میں پائی
نہیں جاتی اور یوں یہ آسانی کہا جا سکتا ہے کہ ان
دونوں مذاہب کا منبع اور مصدر ایک ہی ہے ۔

اس لئے ہر مسیحی اور مسلم کو یہ لازم ہے کہ وہ فرعی
اختلافات کے حل و کشف میں بنیاد و اساس کو
متذبذب و مرتعش نہ کریں اور عند الضرورت دونوں
باتیں بھی احسن کے تحت اور "حلم اور خوف کے ساتھ"
امور متنازعہ فیہ پر بحث فرمائیں جس میں تاب و

تشمم گویا محارم میں سے ہو ۔

مغنی بیا بشنود و کار بند
ز قولِ من این پند دانا پسند

مُتداوَل بائبل الہٰی الاصل ہے

اسلامی و مسیحی جملہ اختلافات و تنازعات میرے نزدیک سب سے اہم و فیصلہ طلب مسئلہ متداول بائبل کے الہٰی الاصل ہونے کا ہے۔ میں کماینبغی اس بات کی وضاحت کروں گا کہ جملہ مصنفات بائبل الہٰی الاصل ہیں اور جب ان کا الہٰی الاصل ہونا لازوال ہے تو لفظی دغا اور مبارزت محض جہل یا تجاہل ہے۔

میں نے کہا کہ بائبل کی صحت پر اہل اسلام حرف گیر نکتہ چین ہیں تو یہ بھی بے دلیل قیاسی یا سماعی طور سے نہیں بلکہ علی الرغم میں نے اسلام کا بالا

ستغیاب مطالعہ کیا ہے اور مسیحیت کی حقانیت کے یقین پر اس کی صداقت مبرہن بھی کر سکتا ہوں۔ چنانچہ دحجۃ الاسلام) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اپنی کتاب " صداقتِ اسلام " میں لکھتے ہیں کہ "موجودہ انجیل محرّف ہے آسمانی نہیں۔" اور پھر مولوی رحمت اللہ صاحب نے اپنی کتاب " اعجاز عیسوی " میں بھی سعی کی ہے جس سے ماسبق اسطور کی توثیق ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بحث بکلّی عبث ہے کہ علماء محمدیہ ایسے غلط عندیہ میں قرآن کے ہم نواہ ہم زبان ہیں یا معارض و مبائن ؛

عندی بائبل کی الہٰی اصل پر اقویہ دلائل میں سے اقویٰ بُرہان یہ ہے کہ اصدق الصادقین حضرت مسیح نے خود اپنی زبان حق نشان سے متداول بائبل کو الہٰی الاصل تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ لُوقا کے توسل سے لکھی ہوئی انجیل کے باب ۲۴ آیت ۲۷ میں یُوں وارد ہے کہ "اس نے " پھر موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اس کے حق میں

لکھی ہوئی ہیں وہ ان کو سمجھا دیں۔

معہذا انجیل طہیر کے متعلق یہ فرمایا کہ میں (خود اُن ستودہ صفات کی طرف اشارہ ہے) نے یہ باتیں (کلام) تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔ لیکن مددگار یعنی رُوح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے کہا (انجیل) وہ سب تمہیں یاد دلائے گا (مطالعہ کریں انجیل بتوسل یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۵ - ۲۶)۔ ماسبق تصریحات کی موجودگی میں الٰہ شخص کو بھی لاجرم یہ ماننا پڑے گا کہ مؤلفاتِ بائبل الہٰی الاصل تھے جبھی تو جہانی الدنیا اور علماز کیا نے اُن سے استدلال کیا ان سے استشہار کیا اور لکھی جانے والی انجیل اور اس کے محوین کے الفاظ کو یہ باتیں کہہ کر اپنا کلام لایزال سنوایا۔

مُعذا بائبل کی بے بہال تعلیمات بھی اس کے مؤلفات کے الہٰی الاصل ہونے کی دلیل بے نظیر ہیں اور یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جو بائبل کے سطحی قاری پر بھی واضح ولائح ہو جاتی ہے اگرچہ یہاں تو بائبل ہی کو ممنوع

التلاوۃ " کہا جاتا ہے !!! میں نے بیان کیا کہ بائبل کی تعلیمات بے مثل اور لاجواب ہیں تو یہ بھی دعویٰ بلا دلیل نہیں کہ بائبل اور بالخصوص انجیل تعلیمی حصہ کو زیر مطالعہ لا کر میرے دعویٰ و دلیل میں مماثلت و مطابقت یا مبائنت و معارضت کی پہچان کر لیجئے۔

آلان مجھے جملہ معترضہ کے طور پر اپنے وہ احباب یاد آگئے جو بزعم خویش بائبل کی " چند غلیظ بلکہ فحش اور لغو باتیں پیش کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان " فحش اور لغو" مقامات و مندرجات کی موجودگی میں کیا بائبل الہٰی الاصل ثابت کی جا سکتی ہیں ؛ لہٰذا ان کی اور انہیں کے ہم مسلک، ہم سبق اور ہم نفس اصحاب کی خدمت میں معروض ہے کہ عندی یہ مندرجات و مقامات جہاں بائبل کو بے بہال کتاب ثابت کرتے ہیں وہاں اس حق پژوہی اور حقیقت پر وال ہیں اور یوں ایسی کتاب اور ایسے مؤلفات یقیناً الہٰی الاصل متحقق ہیں۔ کیا دنیاوی طب کی کسی کتاب میں تنہائی امراض کا اندراج اس کی جامعیت اور کاملیت پر وال

نہیں؛ ٹھیک اسی طرح روحانی مطب کی کتاب بائبل میں گناہ کی کراہیت اس انتہائی صورت میں مندرج ہونے پر بائبل کی فضیلت اور جامعیت اور اس کا الہٰی الاصل ہونا ظاہر و ثابت ہے

معہذا بائبل کے انجیلی حصہ کی تعلیم کے فوق اور برتری کو تو بلا چوں و چرا بے تامل مقال تسلیم کرلیا جاتا ہے اور جب کیفیت یہ ہے تو پھر اس کے الہٰی الاصل ہو ماننے میں کونسا امر حارج ہے؟ تاہم کسی نادان حجتی کی پاسداری کی غرض سے قارئین انصاف آئین کو انجیلی "یسوع" اور اس کی تعلیمات کے فوق سے متعلق ایک اقتباس ایسے آدمی کا سنوا دینا چاہتا ہوں جو مؤرخ اور فاضل تو تھا مگر مسیحی ہرگز نہ تھا۔

مسیح کی سیرت حسنات کا بلند ترین نمونہ ہی نہیں رہا بلکہ اس کے عمل کا مضبوط ترین محرک بھی رہا ہے اور (اس نے) اس قدر گہرا "اثر دکھایا ہے" ہے کہ مسیح ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ (اس کی) مؤثر

حیات کا سہ سالہ "ریکارڈ" انسانی تخلیق نو اور انسانی شیریں بنی کے لئے جملہ فلاسفہ کی تحقیقات اور معلمینِ اخلاق کے نصائح سے زیادہ فعال رہا ہے۔"

Are The New Testament Documents Reliable

بحوالہ

History of Eurpeon Morals ii (1869) P. 88.

از

W. E. H. LECKY.

پھر "بائبل" کے الہٰی الاصل ہونے کی ایک اور ثقہ دلیل یہ ہے کہ متداول بائبل میں قریباً "۶۶ کتب" ہیں جو مختلف ۳۰ اشخاص کے توسل و واسطہ سے حیطۂ تحریر میں آئیں۔ اب وہ تیس اشخاص مختلف اسنان (زماحول) کی تخلیق تھے لیکن حیرت آباد کہ ان سب کے مؤلفات اور محررات میں یک قلم سرتاسر ہم آہنگی، اتحاد اور موافقت پائی جاتی ہے اور وہ اتحاد بھی سطحی و نظری نہیں

بلکہ علی الرغم سطحی و نظری طور پر تو اختلافات رونما و عیاں ہیں اور انہی اختلافات کو معاندین بائبل اس کے الہٰی الاصل ہونے کے خلاف بطور دلیل استعمال کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر حقیقت علی العکس و غیر ہے۔

پھر بائبل کے مصنفات کے الہٰی الاصل ہونے کی پرانی مگر پر زور دلیل وہ پیش منطوقیاں ہیں جو ہر بر وقت اور بر محل وقوع پذیر ہو چکی ہیں جن میں حضرت مسیح، اہل یہود اور دیگر غیر اقوام سے متعلق "پیش گوئیاں" حق الیقین تک کا درجہ رکھتی ہیں انجیلی حصہ میں "مسیح خدا کی یہ پیش گوئی کہ بہت سے جھوٹے نبی اور جھوٹے مسیح اٹھ کھڑے ہوں گے۔" بھی اس قبیل سے ہے۔

مسطور و ماثور بالا حقائق کے ماورائے بائبل کے الہٰی الاصل ہونے پر کثیر جمیل دلائل زیر قلم لانے کی بھی مقدرت رکھتا ہوں۔ مگر طوالت کے اندیشہ کے موجب اہل اسلام کو یہ کہوں گا کہ اگر ماثور بالا حقائق و دلائل

سے اغماض و اجتناب بھی کیا جائے تو بھی اقل از قلیل ان کو بائبل کو الہٰی الاصل ماننے سے جائے فرار نہیں کہ قرآن نے خود متداول بائبل کو الہٰی الاصل مانا ہے چنانچہ سورۂ مائدہ کی ایک آیت اس بات پر ناطق ہے کہ:-

فَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّ نُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ
یَدَیْہِ مِنَ التَّوْرٰاۃِ وَھُدًی وَّ مَوْعِظَۃً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ وَ
لْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فِیْہِ ۝

اور ہم نے اس (عیسٰی) کو انجیل دی اور اس کے اندر ہدایت ہے اور نور۔ وہ تصدیق کرتی ہے توراۃ کی جو اس کے آگے تھی، اور وہ ہدایت ہے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے اور واجب ہے کہ حکم کریں انجیل والے اسی کے مطابق جو اللہ نے اس کے اندر نازل فرمایا۔

ماثور بالا آیت میں تورات اور انجیل اصطلاحی نام ہے جملہ مصنفات بائبل کا اور اس کا الہٰی الاصل ہونا ثابت کرنا مقصود تھا اور وہ ثابت ہے۔ ہاں ایک

تقوّل، وافتراءً مسلمان بھائیوں کا باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ بائبل میں "تحریف و ترمیم" کر دی گئی ہے اور وہ "ممنوع التلاوۃ والتعمیل" ہے۔ وہ انشاء اللہ اگلی قریبی اشاعت میں طشت از بام کروں گا کہ کہاں تک راست ہے اور پھر کہ بائبل میں سہو کوئی تقویح، تحریف اور خساست نہیں کی گئی
فانتظروا۔

THE Beloved SON

سلسلۂ تبلیغ و تفہیم نمبر ۲

BY E.L. RATIQ (M.A.)

ابنِ خُدا

ایک آسمانی آواز

از قلم

عمانوایل لُوتھر صاحب بی۔اے ریسرچ سکالر

مصنف "المخاصرۃ" و "تحقیقِ خُدا" وغیرہ مقیم اسلام آباد راولپنڈی

حال وارد سیالکوٹ

قیمت — نئے ۳۰ پیسے

بار — اوّل

تعداد — پانچ صد

طباعت — تعلیمی پریس سیالکوٹ

ناشر:۔ مسٹر ایچ۔ ایل حیات

ایم۔اے۔ بی ایڈ

پٹس برگ (امریکہ)

ڈائریکٹر مشن سکولز۔ مغربی پاکستان

سیالکوٹ

ملنے کا پتہ

ہیڈ ماسٹر لعل موتی لعل صاحب ایم۔اے۔ ایم۔ ای۔ ڈی

پٹس برگ (امریکہ)

سی۔ ٹی۔ آئی ہائی سکول و مشنری۔ آر پال کو سپیئن ٹاؤن سیالکوٹ

ابنِ خُدا ——— ایک آسمانی آواز

اناجیل میں خداوند مسیح کو ابنِ خُدا کہا گیا ہے۔ (متی ۱۷/۳ و مرقس ۱۵/۳۹ و لوقا ۹/۳۵ و یوحنا ۱/۳۴) بلکہ ان سے یہ بھی ہویدا ہے۔ کہ یہ لقب کسی رسُول۔ فرشتے پاسبان۔ مشنری یا ایلڈر کی اختراع نہیں۔ بلکہ ایک آسمانی آواز ہے ــــ خود خدا تعالےٰ کا عطا کردہ خطاب (مرقس ۱/۱۱ وغیرہ)

ابن خُدا ہی وُہ لقب ہے۔ جس کی انجیلی "تلقیب" پہ غیر مسیحی خصوصًا برادرانِ اہلِ اسلام بہت ناراض اور سخت برہم ہوتے ہیں۔ اور اس کے ماننے والوں کو کوتاہ عقل اور کافر وغیرہ ٹھہرا کر ان کے حق میں استہزا، توہین و تحقیر کو جائز بلکہ واجب ٹھہراتے ہیں۔ مذہبی دنیا کا یہی وُہ مرکزی لقب ہے جس پر سب سے زیادہ مباحثہ بلکہ مجادلہ اور مناقشہ ہوتا رہا ہے۔ اور اسی کو بالعموم اسلام اور مسیحیت کے درمیان حدِ فاصل

سمجھ کر مطعون کیا جاتا ہے۔

مسیحی تو اس لقب میں اس لئے تحریف و ترمیم نہیں کر سکتے کہ کتاب اللہ میں کمی و زیادتی کرنے کی ممانعت ان کی کتاب میں موجود ہے (مکاشفات ۲۲/۱۸) البتہ غیر مسیحیوں کو سمجھانا اُن پر فرض ہے۔ (۱ پطرس ۳/۱۵) اور وہ اس کو بجالاتے ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ غیر مسیحیوں کی اکثریت نے کبھی اس انجیلی اصطلاح پر معمولی تدبّر و تفہیم کی بھی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

وگرنہ

ہمارے روزمرّہ کے کلام سے ہی یہ امر کالشمس فی النہار ہے کہ متکلّم یا قائل اپنے مافی الضمائر کی ادائیگی میں ہمیشہ عرفی یا لفظی مفہوم ہی کو مدّنظر نہیں رکھتا۔ مثلاً جب کوئی یہ کہتا ہے کہ فلاں صاحب انبیاء اور کتب مقدسہ کے باب میں ہاتھ بھر کی زبان رکھتے ہیں۔ تو اس سے یہ مفہوم نہیں ہوتا۔ کہ حضرت ممدوح کی زبان عرفی معانی میں ایک ہاتھ کی لمبائی کے برابر ہے نہیں: قائل کا مرام یہ ہے کہ صاحب مشارٌ الیہ جب بھی انبیاء اور کتب مقدسہ کے بارے میں گفتگو فرماتے ہیں۔ زبان دراز اور گستاخ ہو کر ایسا کرتے ہیں۔

مندرجہ مافوق مثال سے ظاہر ہے کہ ادائیگی مفہوم کے لئے دو طریقے موضوع ہیں ایک لفظی (Literal) یا عرفی دوسرا

(idiomatic) یا محاوراتی۔

جیّد عالم اور قواعد دان (Bain) کے مطابق لفظی ادائیگی کا مفہوم سب پر واضح ہے۔ لیکن محاوراتی ادائیگی ہم اس وقت اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ ہمارا ارادہ اپنے بیان کو زیادہ مؤثر اور دل نشین بنانے کا ہوتا ہے۔

پس

کچھ عجب نہیں کہ مذہبی و روحانی کُتب انسانوں پر ایک افلاکی بھید اور سروشی تعلق کے ابلاغ و اظہار کے لئے "زیادہ مؤثر" اور دلکش طریق اختیار کر کے اُس الہٰی شخص کے بارے ہیں جس کی ولادت عام معینہ قاعدہ کے برخلاف (متی ۱/۱۹ و آل عمران ۴۲/۴۷) جس کے نام کے معانی لوگوں کو گناہوں سے رہائی دینے والا (متی ۱/۲۱-۲۲) جس کی خوراک خدا کی مرضی کی تکمیل (یوحنا ۴/۳۴) جس کے معجزات سب سے انوکھے (مائدہ آیت ۱۱۰) جس کی تعلیمات سب سے نرالی (متی ابواب ۵-۶ و ۷) جس کی ذات میں کوئی گناہ نہ ہو (۱ یوحنا ۳/۵) غرضیکہ جو قرآنی اعتبار پر ظہور کے دن ہی سے غلٰماً زکیا (قرآن) اور وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ (قرآن) ہو عرفی و لفظی معنوں کے برخلاف یہ کہہ اٹھیں۔ یہ خدا کا بیٹا ہے۔ (یوحنا ۱/۳۴) اس روحانی اصطلاح سے لفظی معانی

اخذ کرنے والے کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کی روحانیت کا چراغ گُل ہو چکا ہے۔

بعض لوگ "ابنِ خُدا" پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں۔ کہ "ابنؔ بغیر ابؔ کے ناممکن ہے۔ اور اب کے معانی میں بیوی کا وجود لازم ہے۔" لیکن خُدا کی چوں کہ بیوی ہی نہیں اس لئے اس کا ابن ٹھہرانا ناممکن ہے۔ انی یکون لہ ولد ولم تکن لہ صاحبۃ (اسلام اور مسیحیت ۱۱۶-۱۱۷) تو جواباً معروض ہے۔ کہ یہ اعتراض عدم تفکّر اور نادانی کا شاہکار ہے۔ کیوں کہ اولاً تو یہ ہی درست نہیں کہ ابن بغیر اب کے ناممکن ہے۔

کیونکہ ابن الوقت (وقت کا بیٹا یعنی مکار شخص) ابنِ ذکا (سورج کا بیٹا فجر) ابنِ الانشاء (کثرت نگار لفظی تحریر کا بیٹا) خود قرآن شریف میں مسافر کے لئے ابن السبیل وغیرہم الفاظ کا استعمال اس کے خلاف شاہد ناطق ہے۔ پھر یہ کہنا کہ اب کے معانی میں بیوی کا وجود لازم ہے" بعجہ مافوق غلط ہے۔ کیوں کہ خود ہمارے ملک میں آج تک ابوالکلام۔ ابوالوفا اور ابوالفصاحت مستعمل ہیں۔ کیا کلام کی کوئی بیوی ہوتی ہے یا وفا اور فصاحت کی کوئی صاحبہ؟ ہرگز نہیں بلکہ یہاں مطلب مقصودی ہے لفظی و عُرفی نہیں۔

شاید ہم نا فہم معترضین یہ موٹی سی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کہ جب خُدا روح ہے۔ تو اس کے تعلقات بھی لامحالہ روحانی ہوں گے۔ اندریں صورت جب خُدا سے ابن کا تعلق یا نسبت کا تذکار ہوتا ہے تو وہ لازماً روحانی ہے۔ نہ کہ جسمانی و شہوانی۔ انجیل مقدس میں مسیح کو خُدا کا بیٹا کہے جانے کی مکمل تشریح موجود ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ وہ پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خُدا کا بیٹا ٹھہرا (رومیوں ۱/۴)

علاوہ ازیں خدا تعالیٰ واجب الوجود اور انسان ممکن الوجود کے درمیان مشارکت لفظی کے ماسوا حقیقی اشتراک و مماثلت ناممکن ہے مثلاً خُدا سمیع ہے۔ بصیر ہے۔ عقیل ہے۔ اور انسان بھی سامع و باصر اور عاقل ہے۔ لیکن انسان کانوں سے سنتا۔ آنکھوں سے دیکھتا اور دماغ سے سوچتا ہے۔ خُدا انسان کی طرح کی آنکھوں کے بغیر۔ انسان کے سے کانوں کے بغیر۔ انسان جیسے دماغ کے بغیر دیکھتا سنتا اور سوچتا ہے۔ یعنی انسان کی سماعت۔ بصارت اور سوچ تو متاثر۔ متکیّف اور منفعل ہونے کی جہت سے ہے مگر خُدا غیر متاثر۔ غیر متکیف اور غیر منفعل ہو کر سمیع۔ بصیر وغیرہ ہے۔ پس خُدا کا دیکھنا سننا اور سوچنا انسان سے بکلّی مختلف ہے۔ وہ ان امور میں انسان سے فقط لفظی و مثالی مشابہت

رکھتا ہے۔ اسی طرح خدا کا بیٹا ہونا اور انسان کا بیٹا ہونا کیفیت اور حقیقت کے اعتبار سے باہم دیگر مختلف و متفرق امور ہیں۔ انسان کا بیٹا بغیر جورو کے نہیں ہو سکتا۔ جس طرح انسان بغیر آنکھوں کے نہیں دیکھ سکتا مگر خدا کا بیٹا بغیر بیوی کے ہو سکتا ہے۔ جس طرح وہ بغیر کانوں کے سنتا اور بغیر اعضاء و جسم کے سوچتا۔ ارادہ کرتا۔ اور حکومت کرتا ہے۔ الحاصل خداوند مسیح کی ابنیت کو جسمانی و انسانی طور پر قیاس کرنا کفر اور جہالت کی معراج ہے۔

بائبل مقدس کے مطالعہ سے یہ ہویدا ہے۔ کہ مسیح کے علاوہ بھی دوسرے لوگ خدا کے بیٹے کہلائے اور اب بھی مسیحی ایماندار خدا کے فرزند کہلا سکتے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے۔

(۱) اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔ (خروج ۴/۲۲)

(۲) تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔ (استثنا ۱۴/۱)

(۳) میں اس (سلیمان کا) باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔ (۱ تواریخ ۱۷/۱۳)

غرضیکہ

(۴) جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں۔ (رومیوں ۸/۱۴)

وقس علیٰ ھذا

غیر مسیحی لوگ عموماً اور احمدی حضرات خصوصاً ان حوالہ جات

کو پیش کر کے ہمیشہ یہ کہتے ہیں۔ کہ بائبل میں "خدا کا بیٹا" ہونا ایک عام متعارف محاورہ ہے۔ جو بطور مجاز پیاروں اور سچے متبعین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں کوئی خصوصیت نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بقول ان کے خدا کے پیاروں اور سچے متبعین کے لئے "خدا کا بیٹا" ایک مجاز ہے۔ حبذا ہم بھی اس پر امنّا و صدقنّا کہتے ہیں۔ لیکن علم بیان ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مجاز ہمیشہ حقیقت کی فرع ہوتی ہے۔ پس حقیقی بیٹا ملنے بغیر مجازی بیٹا ماننا علم البیان سے کامل ناواقفیت کا ثبوت اور علمی بحران و افلاس کا مظاہرہ ہے۔

مسیحی تو ہمیشہ سے یہی مانتے آئے ہیں۔ کہ مومنین مسیح کے طفیل خدا کے لے پالک اور مجازی بیٹے بننے کے درجہ تک تو پہنچ سکتے ہیں۔ (گلتی ۴/۵) لیکن حقیقی معنوں میں حقیقی بیٹا صرف مسیح ہے اور بس! اسی لئے انجیل مقدس میں لکھا ہے۔

(۱) خدا کا بیٹا آگیا ہے اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے تاکہ اس کو جو حقیقی ہے جانیں اور ہم اس میں جو حقیقی (نہ کہ مجازی) ہے یعنی اس کے بیٹے یسوع مسیح ہیں۔ (۱ یوحنا ۵/۲۰)

(۲) خدا نے جہان سے ایسا پیار کیا کہ اس نے اپنا اکلوتا (نہ کہ مجازی) بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے۔ ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ (یوحنا ۳/۱۶)

خود مسیح خداوند نے اپنی ابنیت اور مومنین کی ابنیت میں تمیز کی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ اس سبب سے یہودی اور بھی زیادہ اسے قتل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ کہ وہ نہ فقط سبت کا حکم توڑتا بلکہ خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے آپ کو خدا کے برابر بناتا تھا۔ (یوحنا ۵/۱۸)

مسیح خداوند خدا باپ سے صادر ہونے کے باعث بھی ابنِ خدا ہیں۔ آپ نے کہا "باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں"۔ (یوحنا ۱۶/۲۸)

نیز آپ مظہرِ خدا ہونے کے باعث بھی "خدا کا بیٹا" ہیں۔ آپ نے فرمایا "باپ کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے۔ اسی نے ظاہر کیا" (یوحنا ۱/۱۸)

ماسبق تشریح سے یہ ظاہر ہے کہ مسیحی مسیح خداوند کو آسمانی سند پر خدا کا بیٹا کہتے اور مانتے ہیں۔ فطری تولید یا بیوی خاوند کے تصور کو یہاں مطلقاً دخل نہیں بلکہ علی العکس مسیح خداوند روح القدس کے سایہ فگن ہونے کے باعث اور پاکیزگی کی روح کے اعتبار پر قدرتی طور پر خدا کا حقیقی بیٹا ہیں۔ یہ روحانی اصطلاح اپنے معانی و ادائیگی کے اعتبار پر بڑی پر مغز اور فصیح ہے۔ اور قرآنی قول لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد سے مطلقاً متخارب و متعارض

نہیں۔ کیونکہ خود مسیحیوں کے نزدیک خدا کا جسمانی بیٹا ماننا کفر کبیر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن اپنے آپکو قرآن مبین (الحجر۔ آیت ۱) واضح قرآن کہتا ہے۔ اور یہ ادعا کرتا ہے کہ وہ صاف صاف آیتیں بیان کرتا ہے۔ اور حقائق کی نسبت تفصیل سے کام لیتا ہے۔ اور انجیل جلیل کے بارے میں جس کی رائے یہ ہے کہ وہ لاتبدیل الٰہی الاصل کام ہے (مائدہ ع ویونس ع وغیرہ) انجیل جلیل کا مصدق ہو کر (مائدہ ع ۱۰ و ۷) اس کو سچا سمجھتا اور اس کی سچائی کا اعلان فرماتا ہے کیوں انجیلی لقب ابن اللہ سے مجتنب رہا۔ تو اس کا بار ثبوت اگرچہ اہل اسلام پر تاہم میں اسلامیات کے طالب علم ہونے کی حیثیت سے یہ بیان کرتا ہوں۔ کہ اسلامی تواریخ کے مطابق رسول عربی کے بعثت کے وقت اہل عرب کی مذہبی اور روحانی حالت غایت درجہ مسخ ہو چکی تھی۔ وہ لات۔ منات اور عزیٰ وغیرہ کے معتقد تھے۔ ان کی طرف جسمانی طور پر بیٹوں اور بیٹیوں کو منسوب کرتے تھے چنانچہ قرآن میں ان کے اس قبیح اور مشرکانہ عقیدہ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے۔

وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقھم وخرقوا لہ بنین وبنٰت بغیر علم وتعالیٰ عما یصفون ○ بدیع السمٰوٰت والارض انی یکون لہ ولد و

لم تکن لہٗ صاحبۃٌ وَخلق کُلّ شئٍ وَھُوَ بِکُلِّ شئٍ علیم ذٰلکم اللّٰہ ربکم لا الٰہ الا ھُوَ

(سورۃ انعام ۱۰۰-۱۰۲)

یعنی یہ مشرکین جنات کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ۔ حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے ۔ اور بے سمجھے اس کے لئے بیٹے بیٹیاں تراشتے ہیں ۔ وہ پاک ہے ۔ اور ان باتوں سے جو وہ بتلاتے ہیں بہت دُور ہے ۔ وہ آسمان و زمین کا موجد ہے ۔ اس کے (جسمانی) بیٹا کیوں کر ہو گیا ۔ حالانکہ اس کے کوئی جورو نہیں ہے اور اُس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر شے سے واقف ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ کفار مکہ نے ابنِ خُدا کے روحانی لقب کو شیطانی اور جسمانی معنوں میں رائج کر رکھا تھا ۔ جس کے باعث قرآن نے ایسی مقدّس اصطلاح کے استعمال سے اجتناب کیا ۔ مبادا کج عقائد اہل عرب ابنِ خُدا مسیح کے بارے میں بھی ایسا ہی سمجھ لیں ۔ کہ وہ بھی اُن کے لات ۔ منات ۔ عزیٰ اور جنات ہی کی طرح ابنِ خُدا ہے ۔

یوں وہ مزید ہولناک عذاب کو مول لے لیں ۔ (یونس ۹ آیت)

لیکن قرآن شریف کی مسیح کے باب میں صداقت کا کوئی کہاں تک مدّاح ہو کہ اگر عربی عقائدی ادبار اور روحانی انحطاط و فساد

کے باعث مسیح کو ابن اللہ نہیں کہا تو مسیحیوں کی دوسری اصطلاح کلمۃ اللہ (مکاشفات ۱۹/۱۳) کو مسیح کے حق میں قبول کر کے رواج دے دیا ۔

اِنما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وَ کلمتہٗ القھا الی مریم (سورۃ نساءِ ۱۶۹ آئت)

اور اوّل الذکر اصطلاح ابن خُدا کی جگہ روح اللہ (یا جانِ خُدا) اسی کی ہم معنی دوسری اصطلاح کو اختیار کر لیا ۔ (سورۃ نساء ۱۶۹ آئت)

اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال کیا کہ کہیں ابنِ خُدا کے حقیقی اور مسیحی تصوّر کی مخالفت نہ ہو جائے اس لئے کسی جگہ بھی ابنِ خُدا کے روحانی معنوں پر معترض نہیں ہوُا بلکہ علیٰ الرغم اسکا جواز پیش کیا ۔ فرمایا :-

لو اراد اللہ ان یتخذ ولداً الاصطفٰے مما یخلق مایشاء سبحٰنہ ھو اللہ واحد القھار (ضرعٗ)

یعنی اگر چاہتا اللہ کہ کسی کو بیٹا بنائے تو اپنے مخلوق میں سے جس کو جی چاہتا چن لیتا ۔ مگر وہ پاک ہے ۔ اکیلا واحد خُدا قہار ہے ۔ یہ آیتہ قرآنیہ مظہر ہے کہ خُدا کا فی الاصل بیٹا بنانا معیوب نہیں ۔ اگر وُہ ایسا نہیں کرتا ۔ تو محض اس لئے کہ اس کی طرح کوئی پاک نہیں ۔ اس کا قدس تام اس امر کا

کا متقاضی ہے ۔ کہ اس کا بیٹا بھی پاک و مُقدّس ہو ۔ لیکن مسیح خداوند بھی غلطاً ذکیا ہے ۔ جن کی ذات میں کوئی گناہ نہیں ۔ پس اگر خُدا نے مسیح ہی کو بطور ابنِ وحید (یوحنا ۲۰/۳۱) کے انتخاب کیا ۔ تو اس کے قدس و پاکیزگی میں تو اس لئے فرق نہیں پڑتا ۔ کہ اکیلا مسیح ہی ولادت ہی سے مس شیطانی سے بکلّی محفوظ ہونے کی بنا پر ادنیٰ گناہ تک سے پاک و منزہ تھا ۔ چنانچہ لکھا ہے ۔ وانّی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم ۔ (آل عمران ۳۱) (اور مریم کی ماں نے کہا) کہ میں اس کو (مریم کو) اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ۔ وُہ پیدائش سے پہلے زکی کہا گیا ۔ (مریم آئت ۱۹)

(علاوہ بریں صحیحین کی متفق علیہ احادیث سے بھی آں خداوند اور ان کی والدہ کی پیدائش مستثنیٰ طریق پر مس شیطانی سے بکلّی پاک ٹھہرتی ہے ۔ عن ابو ھریرہ مامن مولودٍ یولد الّا والشیطان یمسہٗ حین یولد فیَتَھِلّ صارخاً من مسّ الشیطان ایاہ الّا مریم و ابنھا " یعنی ابوہریرہ سے روائت ہے کہ (حضرت نے کہا) کہ مریم اور ابن مریم کے سوا کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوتا جس کو پیدائش کے وقت شیطان نہ چھوئے اور وُہ شیطان کے چھونے سے

تک

چلّا کر نہ روئے) ۔ (مشارق الانوار ص ۹۲۹)

اُور

اس کی وحدت اس لئے متاثر نہیں ہوتی کہ یہ رشتہ خارج از ذات نہیں بلکہ ازل سے باطنی طور پر ہی اندرون ذات موجود رہا ہے ۔ (افسی ۱/۹ و یوحنا ۱/۱)

المختصر اناجیل میں ابن خُدا ایسی روحانی و افلاکی اصطلاح ایک ایسا کونے کے سرے کا پتھر ہے ۔ جس پر کلیسیاء کی تعمیر کی گئی ہے ۔

اور جس پہ عالم ارواح کے دروازے غالب نہ آئینگے (متی ۱۶/۱۸)

اس کی صدا آج بھی عالم گیر کلیسیاء کے گنبد میں گونجتی ہے ۔ اور ہمیشہ تک گونجتی رہے گی ۔

یہ بیٹا زندہ ہے ۔ اسی لئے جس کے پاس بیٹا ہے اس پاس (یہ) زندگی (بھی) ہے ۔ اور جس کے پاس بیٹا نہیں اس کے پاس زندگی بھی نہیں ۔

آہ ! انسان پر از عصیان کی کتنی بڑی غوائت و نادانی ہے کہ زندگی بخش روح سے حصول زندگی کی بجائے کفار مکہ کے تتبع میں اس سے جسمانی و شہوانی استنباط کیا جا رہا ہے ۔ لیکن

ع سمجھے گا نہ تو جب تک بے رنگ نہ ہو ادراک

اور اُن دنوں ایسا ہُوا کہ یسُوع نے
گلیلؔ کے ناصرۃ سے آکر یردنؔ میں
یُوحنّا سے بپتسمہ لیا ۝ اور جب وُہ
پانی سے نکل کر اُوپر آیا تو فی الفور اُس نے
آسمان کو پھٹتے اور رُوح کو کبُوتر کی مانند
اپنے اُوپر اُترتے دیکھا ۝

اور آسمان سے آواز آئی
کہ تُو میرا پیارا بیٹا ہے!
تجھ سے میں خوش ہوں! (مرقس ۱ب ۹ تا ۱۱ آیت)

THE BIBLE IN QURAN BY E. L. KATIQ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
یعنی اے ایمان والو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ
رسول پر اتاری (یعنی قرآن مجید) اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری (بائبل)
(نساء رکوع ۲۰)

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ ؕ
اس سے (قرآن) پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل (بائبل) کو اتارا

بائبل

قرآن کی نظر میں

مِن تصانیف

عمانوایل لوتھر (بی۔اے) ریسرچ سکالر (سرگودھا)

مصنف المناصرۃ، حقیقی خدا

ابنِ خدا ایک آسمانی آواز وغیرہ،

انتساب

میں اپنے اس ناچیز اور ادنیٰ رسالہ کو اپنے اُس خالقِ حقیقی سے منسوب کرتا ہوں جس کی کہ ذاتِ ستودہ صفات کے الطف، ادق اور غیر مرئی ہونے کے باعث انسان کی طبعی کثیف آنکھیں وجودِ لطیفیہ اور غیر منظہورہ کو تجربۂ بصارت میں نہیں لا سکتیں لیکن جس نے خود ہی انبیا، مرسلین و مقربین کے ذریعہ سے "اگلے زمانے میں حصّہ بہ حصّہ اور طرح بہ طرح کلام کر کے آخیر زمانے میں" انسان پُر از عصیان سے "کلمۃ اللہ اور روح اللہ کی زبانِ معجز بیان کے ذریعہ سے خطاب کر کے الہام و ہدایت کے سلسلہ کی تکمیل کی اور اسی ضمن میں وہ حقائق الٰہیہ اور نصائح آسمانیہ رسولِ عربی جناب محمد صلعم کی زبانِ حقیقت پر بھی جاری فرما دیئے۔

پس میرے رسالہ میں جو عیوب و اسقام آپ کو نظر آئیں وہ میرے ہیں لیکن اس میں اگر کوئی صفات و خوبیاں آپ کو مل جائیں ۔ تو وہ اُسی ذاتِ بے چون بیچگوں کی ہیں ۔ جس سے میرا یہ رسالہ منسوب ہونے کی جسارت کر رہا ہے۔

سچ ہے ؎
میرے ساقی نے عطا کی ہے مئے بے دُرد و صاف
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے کا ہے

عقیدت کیش: عمانوئیل لوتھر

تعارف

موجودہ دور سیاسی۔ اقتصادی اور معاشی تفرلق و انتشار کا اس حد تک شکار ہو چکا ہے کہ مزید کسی نظریاتی اختلاف کا متحمل ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مذہبی اختلافات و تنازعات کی آتش نے نہ صرف پہلے سے موجود تشتت و افتراق میں اضافہ کیا ہے بلکہ اگر دینی و مذہبی جھگڑوں کا مقابلہ دوسرے سارے نظریاتی اختلافات سے کیا جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ دوسرے سبھی اختلافات ان کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے۔

دوسرے تمام مذاہب سے صرفِ نظر کر کے خود اسلام اور مسیحیت ہی کو لے لیجئے کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے تبلیغی مذاہب ہیں۔ از روئے اسلام ان دونوں مذاہب کا خدا ایک ہے۔ فرشتوں کے وجود پیغمبروں کی آمد آسمانی کتابوں کا نزول یوم حشر و نشر ایسے اصولی مسلمات کے یقین و ایمان میں بھی یہ دونوں متحد اللسان ہیں لیکن مذہبی پیشوائیت یعنی (clergy man) پادری اور ملّا نے ان کے درمیان ایسے ایسے فروعی اختلافات ڈھونڈ نکالے ہیں ۔ جن کے باعث ابراہیمی سلسلے کے یہ دونوں مذاہب ایک دوسرے کو شعر عالم سے

محو کر دینے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔

ضرورت تو یہ تھی کہ کوئی ان دونوں بچھڑے بھائیوں کو گلے ملاتا ان کے فروعی اختلافات کی دیوار کو پاش پاش کرتا تاکہ جناب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح پر فتوح ذرواتے عرش پر فرحاں و شاداں نظر آتی کہ میرے یہ دونوں جگر گوشے مل بیٹھے ہیں۔ کہ دونوں بھائی ہیں۔ (پیدائش ۱۶، ۲۱ باب) پھر ضرورت تھی اس بات کی کہ اسلام و مسیحیت میں جو تشابہ و تطابق اشتراک و اتحاد پایا جاتا ہے اُس کو موجودہ نسل کے ذہن نشین کرایا جاتا۔ دونوں کے صحائف۔ زبور۔ انجیل۔ تورات اور اہلِ اسلام کے قرآن کے باہمی تعلقات اور متفقہ تعلیمات کی تبلیغ کی جاتی ——— لیکن

وا حسرتا دونوں گوئٹے۔ شیکسپیئر۔ کالیداس۔ بقراط۔ سعدی۔ اور عمر خیام کی تعظیم کرتے ہیں۔ لیکن خداوند المسیح اور رسول عربی محمد صلعم کی یکساں تعظیم کرنا تو کجا نشر و تبلیغ کے جملہ ذرائع و وسائل کو اُن کی تکذیب و استخفاف کے لئے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ ان کی لائی ہوئی مذہبی کتابوں کو محرّف اور غلط ثابت کرنے کے لئے اتنے مقالات و کُتب تصنیف کی جا چکی ہیں کہ لائبریریوں میں جگہ باقی نہیں رہی۔ چرچ کے پلپٹوں اور مسجد کے منبروں سے ایک دوسرے کی مذہبی

کتابوں کی ہجو میں شب و روز فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے جا رہے ہیں۔

اسی جاہلانہ اور متعصبانہ رویّہ کا نتیجہ ہے کہ حال ہی میں مرے کالج سیالکوٹ میں ایک ایسا سانحہ پیش آیا ہے جس نے آسمانی کتابوں کے احترام کرنے والوں کے قلوب و اذہان کو وُہ صدمہ پہنچایا ہے جس کی مثال ناپید ہے۔ میرا اشارہ کالج مذکور کے جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب پر کسی آمادہ بہ خارش اور آلۂ شیطان گروہ کی کتابِ مقدس (یعنی الکتاب) کے نسخوں کی اعلانیہ و برملا اہانت و توہین کی طرف ہے۔

کیسی شر و دست کی (جسکی عقل و روحانیت کا چراغ گل ہو چکا ہے) کلامِ خُدا کی اس بے باکانہ اور ابلیسانہ بے حرمتی کلامِ اقدس سے کلام اللہ کی نزاہت۔ منزلت۔ عظمت اور جلالت میں تو کوئی فرق نہیں آسکتا اس لئے کہ ؎

مہ نور فشاند و سگ بانگ می زند

لیکن ——— سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر اس نوجوان یا نوجوانوں نے کلام خُدا کی ایسی بے عزتی و توہین کے گناہ کا ارتکاب کیوں کیا؟ میرے خیال میں اس گناہِ کبیرہ کی تمام تر ذمہ داری اُن مذہبی رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے مزعومہ "علم" سے نوجوان

نسل کے دل سے اُن آسمانی کتابوں کی (جنہیں قرآن ہدایت، نور، الفرقان اور الذکر ایسے جلیل القدر القاب سے ملقب کرتا ہے) حشمت و وقار کو اس حد تک محو کر دیا ہے کہ وُہ یا تو ان کیٹس اور غالب و عمر خیام کے عشقیہ کلام کو جو کے خواری اور رندی کی ترغیب و تشویق دلاتا ہے کے سننے کیلئے ہمہ وقت تیار و مستعد ہے مگر المسیح کے ترنم و نازک ہلا اخلاص جو رافت و محبت اور معانی و صبر سے لبریز ہیں ——— اور جن کی مکمل تصدیق قرآن مجید میں موجود ہے۔ اگر اُن کے کانوں کے پاس سے بھی گزر جائیں تو وہ اس پر وُہ وُہ طوفان بدتمیزی پیدا کر دیتے ہیں جو تمام ملک و ملت کے لئے وجہ نقص امن بن جاتا ہے۔

واجب تو یہ تھا کہ وہ مذہبی رہنما خود بیچ میں پڑ کر اُن افراد کے خلاف مذمت کا ووٹ پاس کرتے جنہوں نے منبع ہدایت و رشد کی توہین و ترغیم کرتے وقت رتی بھر خوفِ خُدا محسوس نہ کیا ہے

لیکن وائے افسوس! کہ علماء کی طرف سے رسمی طور سے بھی اس سانحہ جانکاہ کا نوٹس نہیں لیا گیا۔

مسیحیوں پر بھی واجب ہے کہ وہ "پیغامِ مسیح" کی اگر دل سے اتنی ہی عزت و تکریم کرتے ہیں جس کا مظاہرہ وہ اپنے احتجاجی جلسے جلوسوں میں کر رہے ہیں ——— تو وہ اس پیغام کا عملی پیکر

بننے کی کوشش کریں اور اپنے فضول بین الکلیسائی جھگڑوں کو قصّہ ماضی سمجھ کر دلوں سے ایک دم بھلا دیں کہ یہی وہ طریق ہے۔ جس سے کہ بائبل اور المسیح کا مقام صحیح طور پر بحال ہو سکتا ہے۔ بایں ہمہ قرآن، رسولِ عربیؐ اور اسلامیات کا بلا تعصب مطالعہ کر کے اسلام و مسیحیت کے اس بھولے ہوئے رشتہ کو پھر سے زندہ کریں جس کی جھلک ہمیں قرآن اور اسوۂ رسولِ عربی میں ملتی ہے۔

راقم السطور نے توہینِ بائبل پر منعقد کئے گئے جلسے جلوسوں میں شرکت نہ کی ہے کہ میرے نزدیک جب تک بائبل و قرآن کے صحیح رشتہ و تعلق کی صحیح حد بندی اور احیاء نہ ہوگا۔ ایسے واقعات ہونے کا وقوع مطلقاً (یعنی ذہناً و قلباً) رد کیا نہیں جا سکتا میرا زیرِ نظر رسالہ اسی مرکزی خیال کو لے کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

احقر العباد

عمانوئیل لودھر

۲۲ اپریل ۱۹۷۰ء

سرگودھا

بائبل ——— قرآن کی نظر میں

مشاہدہ اور عقل ہر دو کے سے یہ حقیقت کالشّمس فی النہار ہے۔ کہ انسان فطری طور پر کمزور بے بس اور بے کس ہے اور وہ ہمیشہ کسی ایسے حاجت روا یا رہنما، قادر اور القوی کے تحت ہو کر رہنا چاہتا ہے جو اس کی مشکلات و مصائب کے حل و کشف میں اس کا ممد و معاون ہو ——— کوئی زبان سے کسی حاجت روا کی ضرورت کا لاکھ انکار کرے لیکن اس کا لسانی و زبانی انکار اس حقیقت کی تردید نہیں کر سکتا کہ انسان کو جو خدا تعالیٰ کی صورت[1] پر پیدا کیا گیا تھا۔ اپنے تمام تر علم۔ شرف اور مجد کے باوصف اپنے خالقِ حقیقی کی معرفت و عرفان طبعی طور پر یا از خود حاصل نہیں ہے۔ ——— بلکہ برعکس اس کے یہ کہنا زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے خالق و آفرینندہ کی شناخت کے سلسلہ میں سخت جہالت و غوایت میں مبتلا ہے۔ اسی لئے اس کے اس علمی جہل اور طبعی نادانی کے اندفاع و ازالہ کے لئے

---

[1] یہاں "خدا کی صورت" سے مُراد خدا تعالیٰ کا جسمانی چہرہ نہیں بلکہ اس صورت سے مراد رُوحانی و اخلاقی صُورت ہے یعنی جو صفات خدا کی شخصیت میں ذاتی طور پر پائی جاتی ہیں۔ وہی صفات انسان میں ظلّی طور پر پائی جاتی ہیں۔ منہٗ

اُسے ایک خارجی لمع و قندیل کی ضرورت ہے۔ اہلِ مذہب اُس خارجی و بیرونی روشنی کو الہام یا وحی کہتے ہیں اور اس الہام و وحی یا مکاشفہ کا منبع انسان کی اپنی محدود و کوتاہ عقل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عقلِ انسانی کا دائرہ تحقیق محسوسات و مرئیات (وُہ اشیاء جو دیکھی جا سکیں) تک ہی محدود ہے۔ پس وُہ مرحلہ جو محدود عقلِ انسانی سے طے نہ ہو سکا۔ خود خداوند تعالیٰ نے عطاء الہام سے حل و طے کر دیا یعنی "جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں۔ نہ آدمی کے دل میں آئیں وُہ سب خدا نے اپنے محبت رکھنے والوں کے لئے تیار کر دیں۔ لیکن ہم پر خدا نے اُن کو رُوح کے وسیلے (بذریعہ الہام و وحی) ظاہر کیا" (۱۔ کرنتھی ۱۰-۹/۲)

یوں تو دُنیا میں سینکڑوں مذاہب ایسے ملیں گے جو ضرورتِ الہام و وحی کے قائل و مُقِر رہوں گے۔ لیکن دراصل تین مذاہب۔ یہودیت۔ مسیحیت اور اسلام ہی ایسے ہیں۔ جو حقیقتاً اس امر کے مدعی ہیں کہ الٰہی وحی اور آسمانی الہام اُن کی کتابوں میں محفوظ و مسطور ہے۔ اور ان تینوں میں سے بھی مسیحیت اور اسلام میں جو گہرا رشتہ و تعلّق ہے وہ محتاجِ تشریح نہیں۔

بلکہ زیادہ حق یہ ہو گا کہ خود قرآن شریف اور رسولِ عربیؐ نے اپنے آپ یہی مانا ہے اور منوایا ہے۔ چنانچہ رسولِ عربیؐ نے فرمایا ہے کہ " انا

اولی الناس بعیسی ابن مریم۔ کہ میرا عیسیٰ بن مریم سے سب سے قریب کا تعلق ہے اور قرآن مجید میں وارد ہے۔ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (مائدہ ع۱۱) یعنی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں تم اُن کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں پادری اور مشائخ ہیں اور پھر یہ لوگ تکبر نہیں کرتے

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہود، مسیحی اور برادرانِ اسلام ہر سہ کے نزدیک یہ مسلّم و طے ہے کہ " خُدا نے حصّہ بہ حصّہ اور طرح بطرح نبیوں کی معرفت" اپنے الہام صحائف اور کُتب اس لئے بھیجے کہ انسان اپنے خالق کی ضروری معرفت و عرفان حاصل کر سکے اور اُس مبداء فیض و فاطرِ کائنات کے اوامر و نواہی کی حدود ملحوظ رکھے یعنی اس کی خوشی و محبت کی خاطر اس کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے محترز رہے یہاں سے ظاہر ہے کہ خدائے حقیقی کا الہام و کلام ہی وہ آفتاب رُشد و ہدایت ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنی جہالت و غوایت کی تاریکیوں اور ظلمتوں سے نکل کر اپنے خالقِ حقیقی کی ذات و مرضی کا ادراک حاصل

کرتا ہے ——— پس اگر انسان ایک نفس الامری حقیقت متحقق ہے تو اس کو اپنے خالق و مالک، آقا و مولیٰ کے علم و ارادہ سے ہمہ وقت و باخبر رہنا اس سے بھی زیادہ ضروری حقیقت ہے ——— لہٰذا اُس گھڑی و لحظہ کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے جب انسان پر از عصیان کو خدا کی وحی و الہام کی ضرورت نہ رہتی ہو۔ پس وحی و الہام انسان کے ہم زمانہ اور ہم عُمر ہیں۔ ابتدا میں یہ الہام یا وحی ہمارے جدِ امجد آدم کو دی گئی۔ اس وقت اس کا تحریری صورت میں ہونا ثابت نہ ہے کیونکہ الہاماتِ الٰہیہ تحریری و کتابی صُورت میں تو اس وقت سے محفوظ رکھے جانے لگے جب سے فنِ تحریر و کتابت ایجاد ہُوا۔ حضرت آدمؑ کا زمانہ وُہ زمانہ تھا۔ جب فنِ تحریر کی ضرورت نہ تھی اور اس لئے وہ ایجاد بھی نہ ہُوا تھا۔ پس وُہ وحی یا الہامی شریعت جو آدم کو دی گئی اس کے قلب و ضمیر پر مرتسم کی گئی تھی۔ آدمؑ نے اس شریعت (لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (اعراف ع۲)) کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو جنت العدن سے نکلوا کر خراب کیا۔ عاصی بنالیا۔ فعصیٰ آدم ربّہ وغویٰ (طٰہٰ ع۷) لیکن خدا کا الہام سراجِ منیر ہمیشہ ویسا ہی رہا۔ کیونکہ خدا کے کلام و الہام کا خراب و برباد ہو جانا ممکن ہی نہیں چنانچہ لکھا ہے " خدا کا کلام ابد تک قائم رہے گا" (۱ پطرس ۱/۲۵)

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (انعام ع ۴)

جنابِ آدمؑ کے بعد بھی خدا تعالیٰ کے الہام وکلام کو عوام الناس کی روشنی وہدایت کی خاطر مختلف انبیاء یا ملہمین لاتے رہے۔ قولوا امنا باللّٰہ وَمَا اُنْزِلَ الینا وَمَا اُنْزِلَ علی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط۔ کی آیتِ قرآنیہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ اِن انبیاء کی تشریف بیاری کے بعد ایک اولوالعزم نبی جو پیدا ہوا وہ جناب موسیٰ ہیں۔ اور آپ کو جو الہام و وحی دی گئی۔ وہ کتابی صورت میں محفوظ کی گئی اس کتاب کا نام تورات مقدس ہے۔ خود خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے انا انزلنا التوراۃ فیھا ھُدًی ونُورٌ (مائدہ) یعنی ہم نے نازل کی تورات جسمیں ہدایت ونور ہے

جنابِ موسیٰ کی تورات وصحائف انبیاء اور ازاں بعد زبور کو اہلِ یہود بنظرِ اختصار تورات ہی کہتے ہیں۔ سرسید احمد ہمیں بتلاتے ہیں کہ یہ رعایت بعینہٖ قرآن میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ (تبیین الکلام جلد دوم)

ہاں تو تورات پر جو کتابی صورت میں موجود تھی۔ لاتعداد حادثات آئے کئی دفعہ اُس کے نسخوں کو چن چن کر جلایا گیا۔ اُس کے ماننے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لیکن چونکہ خدا کا کلام کبھی صفحۂ دنیا سے محو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تورات کو فنا کرنے والے خود مٹ گئے۔

لیکن تورات (عزرا کاہن) عزیرؑ نے از سرِ نو مرتب کر لی اور اس کے ماننے والے آج تک دُنیا میں بے شمار ہیں۔ پس یہاں بھی وہی صادق آیا کہ "آسمان وزمین ٹل جائیں گے۔ لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" (متی ۲۴/۳۵)

جناب موسیٰ اور داؤد کے بعد ایک اور شخص نے خدا کے کلام والہام کو دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ شخص اتنا بے مثال اور مجسمۂ غرائب دنوا ہے کہ اس کا شمار عام مامور من اللہ ہستیوں میں ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کے الہامات جس کتاب میں محفوظ ومصئون ہیں اسے انجیل (بشارت) کہا جاتا ہے تورات مقدس کی طرح پھر خداوند تعالیٰ نے خود فرمایا۔ فاتیناہ الانجیل فیہ ھُدًی ونور (مائدہ ع) اور ہم نے اُس (جناب عیسیٰؑ) کو انجیل دی اور اس کے اندر ہدایت ونور موجود ہے

تورات کی طرح مقدس انجیل پر بھی ایسا وقت آیا جب یہ بظاہر اصلاً معدوم ہوگئی۔ لیکن یروشلم کی تباہی کے بعد سے پھر اپنی موجودہ آب وتاب وجلوہ وشکوہ کے ساتھ موجود ہے۔ "سچ ہے گھاس سوکھتی ہے پھول مرجھاتا ہے مگر خدا کا کلام ابد تک قائم رہتا ہے"۔ (۱ پطرس ۱/۲۴)

اس ضروری توضیح کے بعد واضح ہو کہ قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل الکتاب کا نام دیا ہے یعنی کتاب والے نہ اس لئے کہ ان سے پہلے اور مابعد دُنیا میں کسی قوم یا گروہ کے پاس کتابیں نہیں

رہیں۔ بلکہ صرف اس لئے کہ یہود اور عیسائیوں کے پاس مقدس کتابوں کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کو الف لام تعریف وتخصیص کے ساتھ الکتاب کہنا پڑا۔ اور جس کو اصطلاحاً قرآن شریف نے الکتاب کہا ہے اُسی کو عیسائی اپنی مذہبی زبان یونانی میں اصطلاحاً بائبل کہتے ہیں۔ ہر دو لفظ ہم معنی ہیں۔

جس طرح بانی مسیحیت والاسلام ہیں اور مسیحیت واسلام میں قریب ترین ناطہ وتعلق ہے۔ یعنی دونوں کے بانی حسبی ونسبی طور پر ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہو سکتے کہ دونوں سلسلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر منتہی ہوتے ہیں۔ دونوں حضرت خلیل اللہ کے دو جگر گوشے ہیں۔ دونوں سے خُدا کے وعدے ہیں دونوں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (پیدائش ۱۹، ۲۱ باب)

اس طرح سے بائبل مقدس یا الکتاب اور قرآن مجید میں بھی گہرا تعلق ورشتہ ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ خود قرآن نے اہل الکتاب کو اپنی صداقت کی سب سے محکم دلیل اگر کوئی سنائی تو وہ یہ تھی ھُوَ الحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ۔ وہ حق ہے جو تصدیق کرتا ہے۔ اس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے (بقرہ آیت ۹۰) اُن سے کہا جاتا تھا (یا ایھا الذین اوتوا الکتاب امنوا بما نزلنا مصدقًا

لما معکم اے تم لوگو جن کو کتاب ملی مانو اس کو جو ہم نے اتارا (کیونکہ) وہ تصدیق کرتا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (نساء ع) اس وقت مسلمانوں کے لئے قرآن کے ساتھ اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائیوں کی کتابوں پر ایمان لانا منجملہ واجبات سے ٹھیرا تھا۔ اور بڑی تاکید سے کہا جاتا تھا۔ لتومنون بالکتٰب کلّہ (آلِ عمران) اے مسلمانو تم ایمان لاتے ہو۔ ساری الکتاب پر اور اُن کو حکم تھا کہ دِل کے ایمان کے ساتھ علانیہ زبان سے بھی اقرار کریں۔ قولوا امنا بالذی انزل علینا وانزل الیکم الھنا والھکم واحدٌ (عنکبوت) اے یہودیو اور عیسائیو) ہم قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اُترا اور اُن کتابوں پہ جو تم پر اتریں۔ اور ہمارا خُدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے۔ وہ امت اور وہ لوگ تو گذر گئے ——— اب ہمارا زمانہ ہے کہ قرآن کی صداقت پر اہل الکتاب کو الٹا یہ دلیل سنائی جاتی ہے کہ قرآن پہلی الہامی کتابوں کی تکذیب وتردید کرتا ہے ان کی تلاوت کو جوئے اور شراب کی طرح حرام قرار دیتا ہے ——— ہمارے "امام وقت" ہونے کے ایک دعویدار نے اپنے ایک خط میں یہاں تک جسارت کی کہ یہ لکھ مارا۔ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔ یعنی ان کی بُرائی اُن کے نفع سے زیادہ بڑی ہے۔ اور اپنے

ایک رسالہ "واقع البلاد" میں یہ لکھنے میں بھی کسی شرم یا جھجک کو
مانع نہیں آنے دیا کہ "انجیل ایک مردہ اور ناتمام کلام ہے"۔ لیکن
قرآن کہتا ہے کہ اگر یہی تمہارا ایمان ہے تو قُل بئسما یأمرکُم
بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین (البقرہ) تو کہہ دے (اے
پیغمبر) کہ بُرا سکھاتا ہے تمہارا ایمان تُم کو اگر تم ہی ایمان دار ہو۔

مناسب تو یہ تھا کہ جس طرح آں حضرت رسول عربی نے اپنے اور
خداوند المسیح کا ناطہ و تعلق بتایا ہے اور جس طرح سے کہ قرآن و الکتاب
(بائبل) میں عمیق و گہرا رشتہ ہے ان دونوں مذاہب عیسوی اور اسلام
کے پیرو بھی ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتے اور حضرت
ابراہیم کے نام لیوا متحد ہو کر الہام ربانی کو اکناف عالم میں پھیلاتے
دونوں تزکیۂ نفس کی راہ پر گامزن ہو کر عرفانِ ذاتِ خُدا اور معرفتِ
باری تعالیٰ سے حظ اُٹھاتے۔

لیکن برعکس اس کے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ جہاں دُنیا کا
امن و امان پہلے ہی سخت خطرہ میں ہے اور ہر طرف بداعتمادی بھوک
افلاس بیماری تعلیم اور رہائش کے مسائل دُنیا کی آبادی میں اضافے
کے ساتھ ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ نیز
قومی منافرت، تعصب اور فرقہ وارانہ کشمکش زوروں پہ ہے۔

وہاں امنِ عالم کی سلامتی۔ عفو اور نجات کے یہ دونوں نقیب (دونوں
مذاہب کے پیرو) ایک دوسرے کے الہامی صحائف اور پیغمبروں کی توہین و
استخفاف پر اپنی قلم کی ساری طاقت اور پھیپھڑوں کا سارا زور صرف
کرنے میں دن رات مشغول رہ کر دُنیا میں موجودہ تشتت و انتشار
میں مزید اضافہ کر رہے ہیں دونوں فریق کی جانب سے جو کُتب و لٹریچر
پیش کی گئی ہیں اگر اُن کا اقتصاء کیا جائے تو آپ کو یقیناً دُنیا میں
کوئی ایسا معیوب لفظ نہ ملے گا۔ جو ان کتابوں اور تقریروں میں موجود
نہ ہو۔ طرفین کے متعصب، جاہل اور نالائق مناظرین کی بدولت ہر
دو بچھڑے بھائی ایک دوسرے کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت کرنے
کے لئے تیار نہیں۔

درآں حالاکہ قرآن مجید نے ہمیشہ مسیحیوں کی "بائبل" یا "الکتاب"
کا نام گہری محبت و احترام سے لیا ہے۔ قرآن میں کم و بیش صحائف
مقدسہ توراۃ، زبور اور انجیل کا ایک سو تیس بار ذکر آیا ہے اور
ہر بار قرآن نے بڑی تعظیم و تکریم سے اُن کا ذکر کیا ہے ـــــ انہیں
بڑے بڑے عظیم الشان القاب سے ملقب کیا چنانچہ سورہ بقر کی ۷۵ویں
آیت میں انہیں "کلام اللہ" سورہ بقر ہی کی ۵۳ آیت میں "الفرقان"
اور اسی سورہ بقر کی ۱۰۱ویں آیت میں کتاب اللہ اور مختلف جگہوں میں

نور و ہدایت اور الذکر وغیرہ کہتا ہے۔
علاوہ ازیں قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت محمد کو جو الہام دیا گیا
وہ وہی الہام ہے جیسا انبیائے سلف کو دیا گیا چنانچہ لکھا ہے۔

قُل اِنّ الہدیٰ ہدی اللہ ان یؤتی احدٌ مثلَ ما
اُوتیتم یعنی تو کہہ (اے پیغمبر) کہ ہدایت وہی ہے جو ہدایت اللہ
کرے یہ اس واسطے کہ اور کو ملا جیسا کچھ تم کو ملا تھا۔ (آل عمران ع)

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوحٍ والنبیین من بعدہٖ یعنی
ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی تھی نوحؑ کو اور نبیوں کو اُس
کے بعد جو لفظ اُنزل قرآن کے بیان میں استعمال ہُوا ہے وہی کُتب
قدیم کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے اس سے منطقی نتیجہ یہی
برآمد ہوتا ہے جو چیزیں ایک ہی چیز کے برابر ہوں وہ سب باہم برابر ہوتی
ہیں قرآن سے یہ ظاہر ہے کہ عہد نامہ قدیم التورات۔ زبور اور جملہ صحائف
اور عہد نامہ جدید (اناجیل۔ خطوط رسل اور مکاشفات) ویسے ہی من
جانب اللہ وحی سے مملو و لبریز ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن مدعی ہے۔
اسی لئے قرآن اہل اسلام کو قرآن کے ساتھ ساتھ دوسری الہامی کتابوں
پر بھی ایمان لانے کی تاکید کرتا ہے

وقولوا آمنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والٰہنا

والٰہکم واحدٌ ونحن لہٗ مسلمون اور کہو اے محمدیو!
ایمان لائے ہم ساتھ اس چیز کے اُتاری گئی ہے طرف ہماری اور
اُتاری گئی ہے طرف تمہاری ـــــ اور معبود ہمارا اور معبود تمہارا ایک
ہے اور ہم واسطے اس کے مطیع ہیں۔

قُل آمنّا باللہ وما اُنزل علینا وما اُنزل علیٰ ابراہیم
واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اُوتی
موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربہم لانفرق بین
احدٍ منہم ونحن لہٗ مسلمون (آل عمران ۸۳)

کہو کہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اللہ کے اور جو نازل ہوا ہم پر اور ابراہیمؑ
اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اسرائیلی فرقوں پہ اور جو ملا موسیٰؑ
اور عیسیٰؑ کو اور نبیوں کو اپنے رب سے ہم اُن میں سے کسی کے درمیان
فرق نہیں کرتے اور ہم واسطے اس کے فرمانبردار ہیں۔

پہلی آسمانی کتابوں کی تعریف و توصیف کی اتنی ہی گواہی کافی
تھی کہ وہ موجود ہیں اور ان پر ایمان لانا چاہیئے۔ (کیوں کہ ایمان ناقص
یا غیر موجود چیز پر لانا اور لانے کو کہنا مجہول و فضول ہے۔)
مگر قرآن نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ بقول شخصے "اس مضمون کے
تکرار میں اس کو قند مکرر کا مزا ملتا ہے"۔ انہوں نے اُن پہلی آسمانی کتابوں

کی تصدیق و محافظت کا ذمہ بھی لیا۔

فرمایا (ا) وھوالحق مصدقالما معھم ۔ اور وہ سچ ہے سچ کرنے والا اس کو جو ساتھ ان کے ہے۔

(ب) وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقالما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ ( ) اور ہم نے اتاری طرف تیری کتاب (یعنی قرآن) تحقیق جو تصدیق کرتی ہے۔ اس کی جو اس سے پہلے ہے از قسم کتاب اور محافظ ہے اس کی تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے و مھیمنا علیہ ورقیبا علے سائر الکتاب یحفظہ عن التغیر و یشھد لھا بالصحۃ الثبات" قرآن محافظ ہے تمام کتب ربانی کا جو محفوظ رکھتا ہے۔ ان کو تبدیلی سے اور شہادت دیتا ہے ان کی صحت و ثبات پر"۔

ہم قرآن کی حق شناسی کی کہاں تک داد دیں۔ اس نے اسی پر بس نہیں کیا گو یہ بہت تھا بلکہ یہ کہتے بھی دریغ نہیں کیا کہ جن کتابوں کی وہ تصدیق کر رہا ہے وہ وہی ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک فرقہ کے پاس الگ الگ بھی ہیں۔

یاایھاالذین اوتوالکتب اٰمنو بما نزلنا مصدقالما

معکم من قبل۔ یعنی اے اہل کتاب (قرآن) جو ہم نے نازل کیا ہے وہ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق کرتا ہے۔

اور کہیں ایک جگہ تو یہ تک کہہ دیا کہ وما کان ھٰذا القرآن ان یفتری من دون اللہ ولاکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں جسے خدا کے سوا کوئی اور گھڑے بلکہ وہ اس کی تصدیق ہے جو اس کے سامنے موجود ہے یعنی الکتاب کی تفصیل ہے جس میں شک نہیں کہ وہ رب العلمین کی طرف سے ہے (یونس آیت ۳۸)

یہاں قرآن نے اپنی سچائی اور من جانب اللہ ہونے کا مدار ہی تصدیق بائبل پر رکھا گویا یہ اعتراف کیا ہے کہ اگر قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق نہ کرتا تو ایسا گمان کرنا بے جا نہ ہوتا۔ کہ سوائے خدا کے وہ کسی اور کی من گھڑت ہے۔

ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ (بقر) یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات تو نہیں بلکہ ان (کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے زمانۂ نزول سے پہلے موجود ہیں (ترجمہ مولوی نذیر احمد)

مافوق تشریحات اور آیات قرآنی سے یہ امر آفتاب سے بھی زیادہ

روشن ہے کہ قرآن مانتا ہے کہ

(ا) حضرت محمد کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ دو قوموں کے پاس کتابیں تورات، زبور صحائف اور عہد جدید یا انجیل موجود تھے۔

(ب) قرآن سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ یہ سب کتابیں الہام الٰہی کے وسیلے سے دیئے گئے تھے۔

(ج) قرآن سے یہ بھی روشن ہے کہ ان کتابوں کو کتاب اللہ۔ الفرقان الذکر ہدایت و نور سے کم نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ القاب بالکل وہی ہیں جن کا خود قرآن دعویدار ہے۔

(د) مسلمانوں کے لئے الکتاب (توریت۔ زبور اور انجیل (مع خطوط و مکاشفات) پر ایمان لانا ویسا ہے واجب اور فرض ہے جیسا کہ خود قرآن پر

ہ۔ قرآن نے ان کتابوں کی نہ صرف تصدیق کردی (تصدیق کا مادہ صدق ہے معانی ہیں سچا سمجھنا اور سچائی کا اعلان کرنا)

(ز) بلکہ من جانب اللہ اور الہامی ہونے کا مدار انہیں کتابوں کی تصدیق کو بنایا۔

(ج) اور نہ صرف ان کی تصدیق ہی کردی اور اپنی صداقت کا معیار اس تصدیق کو ٹھہرایا ـــــ بلکہ پہلی کتب سماوی کی محافظت

و نگہبانی کا بیڑا بھی اٹھایا۔

اور کیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ (مائدہ ع)

قل یااھل الکتب لستم علیٰ شیئ حتی تقیمو التوراۃ والانجیل

لا مبدل لکلمٰت اللہ (مائدہ ع)

وغیرہ آیات قرآنیہ کی رو سے یہ بھی ظاہر ہے کہ

(ا) کہ تورات وغیرہ کو ثالث بنانا درست ہے اور جب یہ ثالث بنائی جا سکتی ہے تو اس کے مندرجات کے درست اور صحیح ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔

(ب) اہل کتاب کو تورات و انجیل کے قائم کرنے کا حکم ہے (اگر وہ کتب مفقود ہو چکی ہوتیں۔ اور سہو و خطا سے محرّف و مبدّل ہو گئی ہوتیں تو ان کو قائم کرنے کا الٰہی حکم ـــ سراسر گمراہ کن ٹھہرتا (معاذ اللہ)

(ج) جس کلام کو ایک بار کلام خدا مان لیا جائے اس میں تبدیلی و تغیر کے انسان کے احاطۂ اختیار ہی میں نہیں رہتی (ہاں ممکن ہے کہ کوئی اپنے کسی شخصی نسخہ میں کوئی تبدیلی کر دے۔ لیکن وہ تبدیلی رائج زمانہ ہو کر ایسی غوایت پھیلائے یہ ناممکن ہے اسی لئے علامہ اسمٰعیل بخاری (جن کی صحیح بخاری کو قرآن شریف

کے بعد صحیح ترین سمجھا جاتا ہے) نے فرمایا کَیْسَ اَحَدٌ یزیل لفظ کتاب من کتب اللہ یعنی ایسا اُن میں سے ایک بھی نہیں کہ اللہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی لفظ بدل ڈالے (صحیح بخاری جلد ثانی صفحہ ۱۱۲۷ مطبوعہ کرزن گیٹ)

ماسبق سلور میں ہم نے یہ حقیقت ناقابلِ تردید بنا کر پیش کر دی ہے کہ قرآن نے پہلے آسمانی صحیفوں اور کتابوں کی بہت کچھ تعریف کی ہے۔ ایسی کہ اس سے زیادہ ممکن ہی نہ تھی۔ خود اپنے آپ کو اُن کی نگہبانی اور پاسبانی کا ذمّہ دار ٹھہرایا ہے۔ اپنی صداقت کا مدار پہلے صحیفوں کی تصدیق و تائید پر رکھا ہے۔ یہودیوں کو اگرچہ مسلمان دشمن ٹھہرایا ہے۔ لیکن عیسائیوں کو محبت کے اعتبار سے مسلمانوں کا سب سے قریب دوست گردانا ہے۔ جناب رسول عربیؐ نے دوسرے انبیاء کے مقابل سب سے قریب کا تعلق مسیحیّت کے بانی خداوند المسیح سے جتایا ہے۔ بلکہ مزید مطالعۂ قرآن سے یہ امر بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان اور آپ کی تعریف و توصیف میں اس میں ایسے کلمات و آیات ارشاد ہوئی ہیں۔ جو بعض اعتبارات سے اناجیل کے کلمات سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔

آپ کی والدہ بی بی مریم مطہرہ کی عصمت اور روح القدس کے نفخ سے حاملہ ہونے کو صریح الفاظ میں تسلیم فرمایا ہے۔ خود مسیح کو کلمۃ اللہ۔ آیت العالمین۔ وجیہاً فی الدنیا والآخرۃ۔ علم القیامۃ مصلوب۔ مرفوع الی اللہ اور قربِ قیامت پر پھر آنے والا صرف تسلیم ہی نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک مسلمان کو ان باتوں پر ایمان لانے کا حکم بھی دیا۔ اور پہلی آسمانی کتابوں کی ایسی مدح و ثنا خوانی کی کہ کوئی انسان ایسے کرنے کی طاقت و مقدرت نہ رکھتا ہے۔

ان حقائق کو مدّ نظر رکھیں اور آج کے مولوی۔ حافظ اور مناظرین کا یہ بے دلیل دعوٰی ملاحظہ کیجئے۔ "کہ اناجیل۔ صحف اور تورات مُردہ اور محرّف کتاب ہے"۔ ان کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی کہ کسی افسانہ یا ناول کی کتاب کی ہوتی ہے۔ اس کو جلا دو تو خیر اس کی برملا توہین کرو تو خیر ـــــــ خدا تعالٰی کو قرآن مجید (جو کہ پہلے آسمانی سلسلہ الہام کی محض ایک کڑی ہے) کی غیرت تو بہت کچھ ہے اور

اِنّا اَنزلنا القرآن وانا له الحافظون کا ارشاد بچے بچے کی ورد زبان ہے ـــــــ لیکن اپنے ایک کثیر حصّہ کلام

کی اسے اصلاً کوئی غیرت نہ تھی۔

کیا قرآن کی حفاظت کے لئے یہ عادت اُس نے کسی غیر اللہ سے عاریتہً لے لی تھی؟ لیکن پرانے صحیفوں اور آسمانی کتابوں میں جو اس کا کلام تھا اُسے شریر یہود اور نصارٰی میں سے گمراہ نصارٰی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود اس کی حفاظت سے بری الذمّہ ٹھہرا رہا؟ حالاں کہ اس کی عادت میں تبدیلی و تغیّر ممکن نہ ہے۔ لن تجد لسُنّت اللہ تبدیلاً۔

ولن تجد لسُنّت اللہ تحویلاً

الغرض الامر یہ کہ کوئی پادری ہو یا مولوی پنڈت ہو یا صوفی اگر وہ کلام اللہ، الفرقان، کتاب اللہ، نور و ہدایت اور الذکر وغیرہ کے کسی حصّہ یا جزو کو نفرت یا استحقار کی نگاہ سے دیکھے تو اس کے ظالم اور مخالف خدا ہونے میں کوئی شائبہ نہیں۔ وہ مناظر و مباحث جو خدا کے کلام کی صریح آیات کے نصوص میں تبدیلی و تحریف کی ظلمت و تاریکی کا تعیّن فرض کرے ـــــــ اُس کے جاہل اور غبی ہونے کے لئے مزید کوئی ثبوت درکار نہیں ہے اور وہ طالب علم جو قرآن اُس کے خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے نور و ہدایت

الذکر والضیاء کے حامل اوراق کی برملا توہین و تحقیر کر کے یہ سمجھے کہ اُس نے خدا و رسول یا کسی مذہب و دین کی کوئی خدمت سر انجام دی۔ اپنی خباثت، شرارت، سفالت بلکہ اپنے جہل مرکّب میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

ایسے حضرات کو قرآنِ مجید اور رسول خدا سے ابجد پڑھنا چاہیئے۔ مبادا وہ خدا تعالٰی کی جاری کردہ شاہراہ نور و ہدایت (سلسلہ الہام و انبیاء) کو اپنے معاندانہ عمل سے بند کرنے کی سعی نامشکور میں کوشاں رہیں۔ اور قرآن کی آیت:- الّذین کذّبوا بالکتٰب وبما ارسلنا به رسلنا فسوف یعلمون اذ الاغلال فی اعناقهم والسلسل یسحبون فی الحمیم ثمّ فی النار یسجرون

(سورۃ مومن آیت ۶۹)

یعنی جنہوں نے جھٹلائی یہ کتاب (قرآن مجید) اور جو بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ (پہلی آسمانی کتب۔ بائبل) سو آخر جان لیں گے۔

جب طوق پڑیں گے ان کی گردنوں میں اور زنجیریں۔ گھسیٹے جائیں گے جلتے پانی میں۔ پھر آگ میں ان کو جھونک دیں گے۔"

کی زد میں آجائیں

گذشتہ اوراق میں ان امور کو ناقابلِ تردید بنا کر پیش کیا گیا ہے ——— کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت الکتب موجود تھی ———

اور خود خدائے تعالیٰ نے اُن کتابوں کی جو یہود و نصاریٰ کے ہاں مستند سمجھی جاتی تھیں۔ بار بار تصدیق فرمادی۔ ہر جگہ اُن کا نام ایسے ایسے القاب سے لیا۔ جس سے کہ زیادہ کا دعویٰ خود قرآن مجید نے اپنے لئے بھی نہیں کیا ——— یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ گذشتہ آسمانی کتابیں محرّف و مبدّل ہو چکی ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ یہ بتانے کی بجائے کہ فلاں فلاں کتاب مبدّل ہے ——— اُلٹا اُن کتابوں کی تصدیق فرمانا شروع فرمادیں ——— انہیں کوئی آیت کو قرآن مجید میں تحریف و تبدیلی کے مضمون کی نازل فرمانا چاہیئے تھی ——— ہمارے برادران و مکرمان کئی علماء نے قرآن مجید چند آیات ایسی ڈھونڈ نکالی ہیں ——— جن میں اُن کے "خیال میں" اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا ہے کہ اُس کے اپنے صحیفے جن کے بارے

میں خود اللہ تعالیٰ ہی نے یہ فرمایا تھا ——— لاتبدیل لکلمت اللہ۔ (اللہ تعالیٰ کے کلمات نہیں بدل سکتے)

اب محرّف و مبدّل ہو چکے ہیں۔ لیکن اُن علماء نے آج تک یہ نہیں بتلایا کہ اگر نزول قرآن کے وقت آسمانی کتابوں یا الکتاب بائبل مقدّس میں تحریف و ترمیم واقع ہو چکی تھی۔

تو

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ان غلط و محرّف صحائف پر ایمان لانے کا حکم کیوں صادر فرمادیا؟!

۲۔ اہل الکتاب کو توراۃ۔ انجیل اور صحائف و زبور (یعنی بائبل) پر عمل کرنے کی کیوں تلقین کی (ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ کی آیت قُلْ یاهل الکتب ستم علی شیءٍ حتی تقیموا التوراۃ و لانجیل وما انزل الیکم من ربکم؟!

۳۔ فیها هدًى و نورٌ کہہ کر اُن میں روشنی و ہدایت کے وجود کا کیوں اقرار کیا؟ کیا کسی محرّف و مبدّل کلام میں بھی ہدایت و روشنی ہوتی ہے؟!

۴۔ سورہ سجدہ کی آیت وَلقد اٰتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریةٍ من لقائه وجعلناه هدًى لبنی اسرائیل

وجعلنا منهم ائمةً یهدون بامرنا لما صبروا وکانوا بایتنا یوقنون۔

میں توراۃ کے ماننے والے اِمام کیوں کہلائے؟ اور پھر انہیں توراۃ زبور اور انجیل (یعنی بائبل) کو ماننے والوں اور اُس کے عاملین کو اُمّةٌ مقتصدة اور یهدون الی الحق کیوں کہا؟ کیا غلط و محرّف کتابوں پر عامل دُرست راہ پر اور خُدا کی طرف بُلانے والا کہلا سکتا ہے؟!

۵۔ اور پھر یہ کہ جو کچھ کہ یہود و نصاریٰ کے پاس آسمانی کتابوں میں سے تھا اُس کی تصدیق مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ کہہ کر کیوں فرمادی؟ کیا کوئی ذمہ دار اُن کاغذات و تمسکات کی تصدیق کرتا ہے۔ جن میں اُس کے علم کے مطابق تحریف و ترمیم ہو چکی ہو۔ جب کوئی دنیوی ذمہ دار ایسا نہیں کرتا تو خود خداوند تعالیٰ نے بقول علماء "محرّف و مبدّل" توراۃ ـ صحائف ـ زبور ـ انجیل کی تصدیق کا ذمہ کیوں لیا؟ کیا اُس وقت اللہ تعالیٰ کو اِس تحریف و ترمیم کا علم نہ تھا؟ یا کہ صرف یہود و نصاریٰ کی دلداری کی خاطر مصدقًا لما معکم

کی آیاتِ جلیلہ نازل فرمادی؟!

پس حق و انصاف اور ایمان سے یہی کہنا واجب ہے کہ پہلی آسمانی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اور اُن میں ہدایت و نُور آج بھی ویسے ہی موجود ہے۔ جیسے کہ نزولِ قرآن کے وقت تھا۔ جب وہ ایک بار کلامِ خُدا مانی گئیں تو لا تبدیل لکلمت اللہ (انعام)، کی آیت کے دائرہ سے انہیں کیوں خارج کیا جاتے۔ ہاں اگر کوئی تحریف و ترمیم الکتاب (یعنی بائبل) میں واقع ہو چکی تھی۔ تو قرآن۔ رسول حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تک نے اِس کے وقوع کا کم از کم قرآن میں تو اظہار و انکشاف نہیں فرمایا۔

لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں صرف چار مقامات پر جو لفظ "تحریف" وارد ہوا ہے ——— تو اُس کا مفہوم وُہ نہیں جو ہمارے بزرگ اور قابلِ تعظیم علماء سمجھ بیٹھے ہیں ——— ان آیاتِ تحریف کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ عنقریب جُدا طور پر شائع کردوں گا۔ علی الحال یہ کافی ہے کہ ہر ایک صحیفہ جو خُدا کے الہام سے ہے۔ تعلیم اور

الزام اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت
کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے تاکہ مردِ خدا کامل بنے
اور ہر ایک نیک کام کیلئے بالکل تیار ہو جائے۔"

۲ تیمتھیس ۳ / ۱۶، ۱۷

(مدینہ پرنٹنگ ہاؤس لاہور)

قرمزی صلیب پر دکھ اٹھانے والا منجی

یعنی

جناب ڈاکٹر بلی گراہم کے روح پرور کتابچہ

The suffering Saviour Dieing on The Crimson Cross

کا اردو ترجمہ

مترجمہ

بھائی عمانوایل لوتھر سرگودھوی

قیمت ۵ پیسے

قرمزی صلیب پر دکھ اٹھانے والا منجی

چین کی ایک بندرگاہ میکاؤ کے نزدیک ایک پہاڑی پر پرتگالی آبادکاروں نے ایک بہت بڑا گرجا بنایا۔ لیکن ایک طوفان آب سے تمام عمارت زمین بوس ہوگئی۔ مگر اُس کے سامنے کا ہال بچا رہا۔ اور اُس ہال (جو بڑا کمرا یا وہ حصہ جہاں لوگ عبادت کے لئے بیٹھتے تھے) پر ایک قرمزی کانسے (کی بنی ہوئی) کی صلیب بچی رہی۔

جب سر جان باؤرنگ نے اُسے ۱۸۲۵ء میں دیکھا تو اُس نے (کچھ اس مضمون کے) اشعار کہے۔

مسیح کی بلند صلیب کی جو انقلابات کے باعث مسمار ہو چکی ہے میں ستائش کرتا ہوں کیونکہ سارے پاکیزہ قصۂ صلیب کی روشنی اس کی چوٹی میں مستتر ہے۔

میرے نزدیک مسیح کی صلیب کی اہمیت کچھ ایسی زیادہ ہے کہ آج کی نشست میں اس پر غور کرنا واجب ہے۔ اگرچہ ہماری گانے والی پارٹیاں ہمیشہ گاتی رہتی ہیں کہ

صلیب پر جب میں کرتا دھیان
جس پر ہے مؤا ربّ النور
تو نفع گنتا ہوں نقصان
حقیر میں جانتا ہوں سب غرور

جب یسوع مسیح نے بلند آواز سے صلیب پر سے پکار کر کہا۔ کہ

"پورا ہُوا"

تو اس کا مطلب یہ نہ تھا۔ کہ اسکی جان کنی پوری ہو گئی یا خدا کی بخیر باطل ہو گئی۔ اگرچہ موت قریب تھی۔ لیکن اُسے جس بات کا احساس تھا وہ موت نہ تھی۔ بلکہ وہ یہ احساس تھا کہ آخری دشمن مغلوب ہو گیا ہے۔ اور اُس نے کامیابی، کامرانی اور فاتحانہ انداز میں نجات کی الٰہی تدبیر اور پلان کو مکمل کر لیا ہے۔

اُس نے اپنی صلیبی موت سے انسان اور خدا کے درمیان حد فاصل یعنی جدائی کی دیوار کو ڈھا دیا۔

"پورا ہُوا"

مطلب یہ کہ وہ شاہراہ جو انسان سے خدا تک پہنچاتی تھی مکمل ہو چکی ہے۔ اب یہ آمد و رفت کے لئے بالکل تیار ہو چکی ہے۔

جونہی کہ اُس نے یہ الفاظ "پورا ہُوا" کہے اُس نے اپنا سر اپنی چھاتی پر جھکا دیا۔ ایک رومی سپاہی آیا اور اُس نے اس کی پسلی میں بھالا مارا اور اُس میں سے خون اور پانی بہہ نکلا۔ ڈاکٹر حضرات کا کہنا ہے کہ خون اور پانی کے مخرج سے پتہ چلتا ہے کہ مسیح کی موت شکستہ دل ہو جانے کے باعث ہوئی۔ اُس نے اپنا سب کچھ دے دیا۔

اُس نے ہمیں نجات اور خلاصی دلانے کے لئے اپنے خون کے آخری قطرات بھی بہا دئیے۔ اُس نے اپنے آپ کو بھی دریغ نہ کیا یہاں خدا کا بیٹا صلیب پر مر رہا ہے۔ اُس صلیب پر جو کہ بدترین گنہگاروں (اور مجرموں) کے لئے بنائی گئی تھی۔ یہ تو کفارہ کا فعل تھا۔

یہ تو خدا کا برّہ تھا۔ جو جہان کے گناہ اٹھا لے جاتا ہے۔ یہ تو خود خدا کا خون تھا۔ جو کہ گناہ آلودہ تاریک اور مردہ دنیا کے لئے بہایا گیا۔

میں چاہتا ہوں کہ خدا کے بیٹے مسیح کے خون کی مکمل اہمیت اور افادیت سے آپ مکمل طور سے واقف ہو جائیں۔ بہت سے لوگوں کے لئے مسیح کے خون کا تذکرہ بڑی ٹھوکر اور بدمزگی کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ تو اُن کی خودی اور فخر و غرور کی انتہا ہے کہ خدا کو ایسی قیمتی قربانی کرنا پڑی۔ اِس قربانی سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کے ذہنوں اور جانوں پر ایک شدید برعکس ردعمل ہوتا ہے۔ یہ اُن سب لوگوں کی حالت ہے جن کا مقولہ یہ ہے کہ۔

"انسان کچھ ایسا بڑا نہیں کہ اسکو ایک ایسے خون کی اور کفارہ کی ضرورت ہو۔" جدید انسان (ماڈرن مین) اور خدا کے درمیان اسی نکتہ پر پہنچ کر اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

خدا تو انسان کی پاکیزگی کی حالت سے گرنے اور اس کے دوبارہ بحال ہونے کی بابت بتلاتا ہے۔ اور اُس کا کلیدی لفظ "فضل" ہے لیکن (جدید) انسان اپنی چند ظاہری اچھائیوں، اخلاقی محاسن اور مہم جوئی یعنی ایجادات کے ذریعہ سے دنیوی کامیابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور اس کا کلیدی لفظ (ٹھیک ہے) "کام" یا "افعال" ہیں۔

خدا تو ان گناہ کی گہرائیوں کا احساس دلاتا ہے۔ جن میں کہ انسان گر چکا ہے۔ لیکن (جدید) انسان اپنی ظاہری (مادی) ترقی پہ نازاں ہے

خدا تو انسان کو مسیح پر ایمان لانے کو کہتا ہے۔ (یا بصورت دیگر) ہمیشہ کے لئے اپنے سے جُدا ہو جانے کو۔ لیکن انسان کہتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم پر عمل کرنا ہی کافی ہے۔ انسان کو منزلِ مقصود اور منتہائے نظر پیروی یا تقلید ہے۔ کفارہ پر ایمان لے آنا اس کا مقصد نہیں ہے۔

خدا کہتا ہے کہ اس کا کلمہ اور (ابن) دنیا کا منجی ہے انسان کہتا ہے کہ مسیح فقط ایک مثالی انسان تھا۔ اور بس (غرضیکہ) آہستہ آہستہ انسان اس سچائی سے کہ "بغیر خون بہائے معافی نہیں" بہہ کر دُور نکل گیا ہے۔ (عبرانی ۹ = ۲۲)

بہت سے جدید مسیحی بھی صلیب کو ایک جذباتی بات سمجھتے ہیں جو کہ گردن کے گرد آویزاں کرنے کے لئے محض ایک ذریعۂ آرائش ہے یا بصورت سنہلی یا فی سے بائبل یا گرجا گھر کے پلپٹ (کے کپڑے) پر بنی ہونی چاہئے۔ ایسے لوگ اس صلیب سے ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ حالاں کہ صلیب پر مسیح کی قربانی انسان کی انتہائی بے چارگی کی نشان دہی کرتی ہے۔

یہ دو پہلوؤں کو ظاہر کرتی ہے

انسان کے گناہ کا عمق (یا گہرائی)

خدا کی محبت کا عمق (یا گہرائی)

میرے نزدیک علم کیمیا (CHEMISTRY) اور مسیح کے خون کی افادیت (کسی حد تک) میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ کئی امور ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم اپنی ضروریات کے مطابق تو جانتے ہیں۔ لیکن اُن سے متعلق تمام گہرائیوں کا شرح ہم نہیں کر سکتے۔

علم کیمیا (CHEMISTRY) میں بھی کئی ایک عناصر ایسے ہیں۔ اور علیب کے تمام تر راز بھی ہم پر نہیں کھلے تاہم میں یہ جانتا ہوں کہ جو لوگ ایمان سے انہیں پا لیتے ہیں۔ اُن کی زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو جاتا ہے

کالج میں کیمسٹری کی ایک جماعت کو یہ بتایا گیا۔ کہ کس طرح سے مختلف تیزابات مختلف اشیاء پر اپنا عمل دکھاتے ہیں۔ ایک تجربہ کے دوران پروفیسر نے جماعت کے طلباء کو سونے کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ اور انہیں اسے حل (DISSOLVE) کرنے کو کہا۔ طلباء نے سونے کے ٹکڑے کو تمام رات بڑے سخت قسم کے تیزابات میں رکھا۔ پھر تمام تیزابات کو ملا کر سونے کے ٹکڑے کو اُس میں رکھا۔ آخر کار طلباء نے استاد (صاحب) کو بتایا۔ کہ سونا ایک ایسی دھات ہے جو حل ہی نہیں ہو سکتی۔ پروفیسر نے کہا۔ میں پہلے ہی جانتا تھا تم اسے نہ پگھلا سکو گے۔ جتنے تیزاب موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی اس پر اثر نہ کرے گا۔ مگر یہ بوتل جو میں تمہیں دے رہا ہوں۔ اسے استعمال کر کے دیکھو اس کے بعد اُس نے اپنی جیب سے ایک بوتل نکالی اور طلباء کو دے دی۔ طلباء نے اُس سونے کے ٹکڑے پہ جس پر کہ تمام تیزابات صرف کر دئے تھے۔ اُس بوتل میں سے چند قطرات ٹپکائے تو سونا تحلیل ہو گیا۔ اور ایسے سخت ٹکڑے کا توڑ بھی دریافت ہو گیا۔

دوسرے دن پروفیسر نے کہا۔ جانتے ہو کہ اس تیزاب کا کیا نام ہے؟ اس کا نام "آبِ شاہی" ہے۔ طلباء نے کہا کہ اس کا نام "آبِ شاہی" ہی موزوں ہے۔ اس لئے کہ یہ سونے ایسی شاہی دھات کو بھی تبدیل کرنے پہ قادر ہے۔

پھر اُس نے کہا حاضرین میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ ایک اور
ایسی چیز ہے جو سونے کی دھات سے بھی زیادہ سخت ہے یہ بھی تبدیل
نہیں ہوتی چاہے اس پر کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کی جائیں
اور یہ شے انسانی دل ہے۔ مصائب دکھ امارت، عزت سزا
یا تعذیب کچھ بھی اس کی برائی کی سختی کو پگھلا نہیں سکتے (کوئی
تعلیم یا تمدن بھی اسکو بدل نہیں سکتا لیکن) ایک ایسی شے بھی
ہے۔ جو اسکو تبدیل کر سکتی ہے۔ اور وہ ہے المسیح ابن اللہ کا خون
یسوع مسیح کے خون کا ذکر انجیل مقدس میں بار بار آیا ہے۔ خطوطِ
رُسل" میں بھی اس کا تذکرہ (موجود ہے۔
پطرس پولوس اور یوحنا نے اسی کی تبلیغ کی سعی صرف کر
عہد نامہ جدید "خون کی کتاب" ہے۔
یسوع مسیح نے جب آخری مسح کھائی تو کہا "یہ میرا
وہ عہد کا خون ہے، جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے
بہایا جاتا ہے۔" (متی ۲۶ : ۲۸)
(خون مسیح کی افادیت کو سمجھنے کے لئے ہم کلام مقدس میں
سے پانچ آیات پر غور کریں گے)
(۱) پانچ آیات (اس مضمون کی) کہ خون کیا کرتا ہے؟
(۱) وہ راستباز ٹھہراتا ہے۔ اور ہمیں بچاتا ہے (رومیوں ۵ : ۹)
(انگریزی زبان میں جو لفظ راستباز ٹھہرانے کے لئے استعمال ہوا
ہے) وہ JUSTIFY والا ہے۔ جو خود لاطینی زبان میں JUSTIFICARE
الزام سے پاک ٹھہرانا۔ بری کرنا۔ یا جرم سے بریت کے معنوں میں مستعمل

ہے۔
یسوع مسیح جب صلیب پر چڑھائے گئے۔ تو وہ صلیب بدنام
مجرم برابا کے لئے تھی۔ یہ دن اُسکی سزا کا دن تھا۔ لیکن رومی حاکم
اُس کی حوالاتی کوٹھڑی میں اُس کے پاس آئے۔ تو انہوں نے
اُس سے کہا۔ "برابا تم خوش قسمت انسان ہو یسوع ناصری
تمہارے عوض مرے گا۔ اب تمہارے پاس تمہاری رہائی کے احکام ہیں"
وہ خطرناک مجرم بری ہو گیا۔ وہ اس خطرناک موت سے
بچ گیا جس کا کہ وہ مستحق تھا۔
یہ خطرناک مجرم باغی اب خدا اللہ تا ایک گنہگار دنیا
تمام نسل بلکہ نسلوں کے نمائندہ کی طرح ہے۔ لیکن وہ یسوع مسیح
کی صلیب کے ذریعہ بچ گیا۔ اگر محض اکیلا برابا ہی بچ جاتا تو یہ بھی
عجیب فعل صلیب ہوتا۔ لیکن بائبل کہتی ہے۔ ہم اُس کے خون
کے باعث۔ راستباز ٹھہرے۔ (رومیوں ۵ / ۹)
جہاں پہلے ہی سے آگ ہو وہاں آگ نہیں آ سکتی۔
اس لئے میں آپ کی توجہ مسیح کی صلیب کی طرف منعطف کرتا ہوں
عدالت تو پہلے ہی ظاہر ہو چکی ہے۔ اب یہ دوبارہ نہ ہوگی۔ لہٰذا جو
شخص صلیب کی عدالت پر بھروسہ کرتا ہے وہ اب مجرم نہ ٹھہرے
گا۔ کیونکہ وہ تو خدا کے پروں کے سایہ کے نیچے آ گیا ہے۔ کیونکہ وہ
مسیح کے خون کے سبب راستباز ٹھہرایا گیا۔
(۲) مسیح کا خون ہمارے ضمائر اور عقول کو پاک کرتا ہے (عبرانی ۹ : ۱۴)
ہر شخص کی ایک ضمیر ہے۔ جو اُس کا حاکم عادل بن کر اُسے اچھے

اور بُرے میں تمیز بتلاتی ہے۔ لیکن ضمیر بھی گناہ سے متاثر ہو چکی
ہے۔ اور جب مقیاس الحرارت (تھرمامیٹر) ہی خراب ہو جائے
تو حرارت یا بخار کا علم کیسے ہو۔ (ططس ۱ / ۱۵)
اور خدا نے مسیح کی صلیب کے ذریعے ہماری عقل کی اصلاح بھی کی ہے
اور یہ محض نظریہ نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔

تبدیل شدہ زندگی

(کے سبب) ایک شرابی اب فخریہ صالح معاشرہ میں بیٹھ
سکتا ہے۔ ایک بدکار عورت اب معاشرے میں ایک بہترین بیوی
بن کر زندگی بسر کر سکتی ہے۔ ایک عیاش نوجوان اب یسوع مسیح کے خون
کے سبب اپنی تمام زندگی صلاحیتیں یسوع مسیح کے لئے صرف کر سکتا ہے
ایک ڈاکو اور جیب تراش یسوع مسیح کے خون کے سبب اس کی وفادار بھیڑ
بن چکا ہے۔ اور یہ ہے مسیح کے خون کا کام۔

(۳) ہم مسیح کے خون کے سبب مخلصی پاتے ہیں۔

(۱-پطرس ۱ / ۱۸-۱۹) مخلصی کا مطلب ہے دوبارہ قیمت دیکر
خریدنا۔ نہ صرف آدم بلکہ سب بنی انسان شیطان کے غلام بن گئے ہیں
اس لئے ان کو قیمت دے کر واپس خریدنا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی
ہے کہ اُس غلام کو آزاد کرنا۔ جو کہ ناجائز طور پر اُس شخص کا غلام بنا
لیا گیا ہو۔ جس کا کہ وہ اصل میں غلام نہیں ہے۔ لیکن جس کا حقیقی مالک
اُسے بہت قیمت دیکر واپس خرید لے۔
اور

یہی کچھ خدا نے ہمارے لئے کیا ہے۔
ہم بحیثیت نسل ہی شیطان جو کہ ہمارا حقیقی مالک نہیں ہے۔
کی غلامی میں چلے گئے ہیں۔ لیکن ہماری بے وفائی نے خدا کی وفاداری
کو باطل نہیں کیا۔ اُس نے ہماری اصلی قیمت سے کہیں زیادہ قیمت دیکر
ہمیں خرید لیا ہے۔ اُس نے یہ اس لئے کیا ہے۔ کہ وہ ہم سے محبت
رکھتا ہے۔
ایک پُر محبت شفیق ماں نے ایک اپنی اکلوتی بیٹی کو ایک آگ
لگے ہوئے گھر میں سے بچا لیا۔ لیکن اس کے اپنے ہاتھ لڑکی کو بچاتے
بچاتے جھلس گئے۔ لیکن وہ لڑکی جب جوان ہوئی تو وہ اپنی ماں کے
جھلسے ہوئے ہاتھوں سے نفرت کرنے لگی۔ وہ ہمیشہ اپنی ماں کو بھی
کہا کرتی کہ اُسے اپنے جلے ہوئے ہاتھوں پہ ہمیشہ لمبے دستانے
پہننا چاہئیں ___ ایک دفعہ لڑکی اپنی ماں سے یہ پوچھ ہی بیٹھی کہ
ان ہاتھوں کو کیا ہو گیا۔ کہ یہ اتنے بھدے اور بد نما بن گئے ہیں ___
ماں نے پہلی بار اُسے سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح سے اُس نے
اُسے بچاتے بچاتے اپنے ہاتھ جلا لئے۔ بچی کے آنسو بہنے لگے۔
اُس نے کہا ماں دُنیا میں ان ہاتھوں سے زیادہ خوبصورت اور
کوئی ہاتھ نہیں۔
اسی طرح سے مسیح کا خون بھی اُن لوگوں کے لئے جو اسکی اہمیت
اور افادیت سے واقف نہیں ہیں ___ ٹھوکر
___ اور نفرت کا سبب ہے۔ لیکن جنہوں نے اس کے
سبب اور علّت کو سمجھ لیا ہے۔ کہ وہ ان کی بدکاریوں کی خاطر

اور انہیں غضبِ الٰہی سے بچانے کے لئے بہایا گیا۔ ان کے
لئے یہ نہایت بیش نعمت ہے۔
قیمت سے آزاد کیا گیا۔ غلام شبھی بھی اپنے محسن کا احسان نہیں
بھول سکتا۔

۴۔ مسیح کے خون نے کلیسیا کو مول خرید لیا ہے۔

(افسیوں ۵ : ۲۴)

ہندو لوگ اپنی پیشانیوں اور ماتھوں پر اپنی ذات کے اظہار
کے لئے ایک تلک لگاتے ہیں۔ اُن کے اس نشان سے ہم
سماج میں اُن کے مقام کو جان سکتے ہیں ——— لیکن۔
خداوند ہر دل پر ایک غیر مرئی (مادی آنکھوں سے نظر نہ آنے والا)
نشان لگاتے ہیں۔ اس میں کسی ملک، سماج، قوم یا ذات کا سوال
نہیں یہ تو خداوند اُن پر لگاتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنی کلیسیا میں شامل
کرتے ہیں۔
یہ ایمان نہ لانے والوں اور ایمانداروں کے امتیاز کا نشان ہے
خدا آج بھی ویسا ہی کہتا ہے جیسا کہ اُس نے گذشتہ ایام
میں کہا۔
"جب میں خون دیکھوں گا۔ تو گذر جاؤں گا۔"
دو صدیوں کی غلامی کے جوئے سے بنی اسرائیل ایک ہی رات میں
آزاد ہو گئے۔
ہر شخص کو ذبیحہ ذبح کرکے اپنے دروازہ کے چوکھٹ پر خون

لگانے کا حکم تھا۔ تاکہ ہلاکت کا فرشتہ خاموش گذر جائے۔
ایک روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکی اُس رات جبکہ دروازوں
کے چوکھٹوں پر خون لگانے کا حکم دیا گیا ——— بڑی مضطرب
اور بے چین تھی۔ وہ اپنی ہلاکت کے بستر پر پڑی انتہائی اضطراب
اور بے چینی کے عالم میں تھی۔ وہ (اس رات) سو بھی نہ سکی۔
اُس نے اپنے باپ کو بلایا۔ اور نہایت بے چینی اور اضطراب
سے کہا باپ! کیا آپ نے اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے کہ چوکھٹ
پر خون لگ گیا ہے؟
اُس کے باپ نے کہا۔ کہ اُس نے نوکروں کو حکم دے دیا تھا
کہ وہ وہاں چوکھٹ پر خون لگا دیں۔ لڑکی نے (باپ کا) یقین نہ کیا
تاوقتیکہ باپ بیمار لڑکی کو اٹھا کر خود چوکھٹ تک نہ لے گیا۔
اُس کے باپ کا حکم نہ مانا گیا تھا۔ باپ نے جلدی کی اور اُس
وقت (چوکھٹ پر) خون لگوایا۔
چوکھٹ پر لگائے جانے والا خون تابعدار اور غیر تابعدار
میں امتیاز کرتا تھا۔ اس طرح سے آج بھی مسیح کا خون تابعدار
اور غیر تابعدار میں تمیز کرتا ہے۔ وہ کلیسیا کے امتیاز کا نشان
ہے۔
مسیح ہمارا کفارہ ہو گیا ہے۔ وہ ہمارا فسح (ہے جو)
قربان ہو گیا ہے۔ اور جس طرح سے ان لوگوں پر جنہوں نے
(چوکھٹوں پر) خون نہ لگوایا موت آئی۔ اس طرح سے وہ بھی
جو ابھی تک اپنے دلوں کی چوکھٹوں پر خون نہیں لگاتے ہلاک ہو

جائیں گے۔

(۵) یہ عالمگیر فائدہ مند خون ہے۔

بہت سے مذاہب ایک خاص طبقہ، ملک اور گروہ سے
مخاطب ہوتے ہیں۔ ہندومت ہندوؤں سے اپیل کرتا ہے
بدھ مت بدھوں سے علی ہذا۔
لیکن مسیح کے خون کی اپیل عالمگیر ہے۔ وہ خاص وضع
خاص ملک اور خاص لوگوں سے مخصوص نہیں۔ قطب شمالی
اور قطب جنوبی کا فاصلہ اس کے نزدیک بے معنی ہے۔
جو کچھ اُس نے دوسروں کے لئے کیا وہ آپ کے لئے کر سکتا
ہے۔ کہتے ہیں کہ امریکہ میں ایک بہت بڑا امیر تاجر جب مُوا تو
اُس نے جو وصیت کی۔ وہ دس ہزار الفاظ اور سینکڑوں
مختلف مضمونوں اور عنوانوں کے ماتحت لکھی گئی۔ اُس نے اپنی
وصیت میں زیادہ اہم بات یہ لکھی کہ
اب میں اپنی روح خداوند یسوع مسیح کو اس امید پر سپرد کرتا
ہوں کہ وہ اپنے خون سے میرے گناہ دھو دے گا۔ اور اپنے
پر جلال حضور میں راستباز ٹھہرا کر حاضر کرے گا۔"
اس دولتمند شخص کو علم تھا کہ وہ اپنے تمام خزانوں اور
دولت کے انبار کے باوجود خدا کے حضور میں ایک بھکاری اور غریب
کی طرح ہے۔ اُس نے مرتے ہوئے چور کی طرح صلیب پر بھروسہ

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ بھی صلیب کے
پاس آ جائیں۔ تاکہ آپ کا نام کتابِ حیات میں لکھا جائے۔
(مکاشفات ۲۱ : ۲۷)
خداوند یسوع مسیح کا خون آپ کو اطمینان اور تسلی کی ضمانت
دے سکتا ہے۔
خداوند کے خون کو اپنے آپ کو صاف و پاک کرنے دیجئے۔

ضروری اعلان

تمام مسیحی جوش رکھنے والے حضرات اور علم دوست احباب کی خدمت میں گذارش ہے۔ کہ خاکسار نے موجودہ وقت کے مشہور عالم مسیحی مبلغ ڈاکٹر بلی گراہم کی روح پرور اور گناہ شکن کتابوں - کتابچوں اور ریڈیائی پیغامات کو اردو خواں حضرات کے لئے ——— اردو میں منتقل کرنے کا عزم بالجزم کر لیا ہے - اور خدا کا شکر ہے۔ کہ بھائی عمانوایل لوتھر (پی ایچ ڈی) ریسرچ سکالر سرگودھی نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود میرے ساتھ ڈاکٹر صاحب ممدوح کے تمام مسیحی لٹریچر کا ترجمہ کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ کثیر تعداد میں ڈاکٹر گراہم کے پیش کردہ ترجمہ بعد پیش کئے جانے والے تراجم کو خرید کر ہماری حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اپنی روحانی ترقی کا سامان بھی کیجئے۔

نیز ڈاکٹر گراہم کی جتنی بھی کتب آپ کے یا آپ کے کسی عزیز کے پاس ہوں - ہمیں فیتاً ارسال کرنے میں تاخیر نہ کیجئے۔

المعلن

بھائی ذکریاہ فل گاسپل اسمبلی بائبل سکول ماڈرن کالونی کوٹ لکھپت لاہور ۳۵

جلد ہی ہم ڈاکٹر بلی گراہم کی مشہور عالم کتاب

Peace- with GOD

کا ترجمہ شائع کر رہے ہیں

کتاب چوں کہ محدود تعداد میں شائع ہو گی - لہٰذا وہ حضرات جو اپنے آرڈر فوراً درج ذیل پتہ پر ارسال فرما دیں گے - انہیں پہلے کتاب ارسال کی جائے گی۔

المعلن

بھائی ذکریاہ فل گاسپل اسمبلی بائبل سکول

ماڈرن کالونی لاہور ۳۵

محمد اسلم رانا صاحب (دلک پارک، شاہدرہ لاہور)

کے

قادیانی مولوی اللہ دتہ صاحب (معروف بہ ابو العطاء جالندھری)

کو

"عیسائیوں کی دعوت مناظرات" کے سلسلہ میں

ایک "خط" کا جواب اور قبولیت "چیلنج مناظرہ" کا اعلان

از قلم ——— عمانوایل لوتھر لاہور

(بشیر انجیل جلیل حال مقیم سرگودھا)

(یہ خط آج بروز ۴ جولائی ۱۹۷۲ء کو محمد اسلم رانا صاحب کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا)

Easter Series
The Death of The christ,
His Resurection and Human Salvation
BY
Emmanuel Luther (B.A. Research scholar)

حضورِ مسیح کی موت، قیامت اور انسانی نجات

از قلم ———— عمانوایل لوتھر

بار اوّل ———— تعداد اکہزار ———— قیمت ۴۰ پیسے

وضاحت:۔ یہ مضمون بائبل مقدّس، مشاہدہ اور تاریخِ عالم کے شواہد پر مبنی ہے۔ تاہم غیر مسیحی احباب اور عقل پرست اصحاب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید (کو ہر جگہ احترام کے ساتھ) کے حوالہ جات اور منطقی دلائل بھی (تائیدی رنگ میں) پیش کیے گئے ہیں۔

Dedication

چونکہ محبت کا تعلق پوچھ گچھ کا محتاج نہیں اس لیے مَیں
اپنے قابل اور انتھک اساتذہ
محترم بھائی شیل شوبرگ صاحب
اور
معظم بھائی برکت مسیح صاحب
کے اسمائے گرامی قدر سے اِن اوراق کو بغیر اُن کی اجازت کے معنون
کرتا ہوں۔

عقیدت کیش
لوتھر

(لاہور آرٹ پریس لاہور)

حضورِ مسیح کی موت، قیامت اور اِنسانی نجات

یُوں تو حضورِ مسیح کی ذاتِ والاصفات مذہبی دُنیا میں ایک ایسی انوکھی اور نرالی امتیازی شان رکھتی ہے کہ آں حضور کے حیاتِ مطہرہ کے کسی بھی پہلو کی مثال آپ کے علاوہ دُنیا کے کسی مذہبی اُستاد، ہادی، رشی منی ولی یا نبی کی زندگی سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ آپکا بغیر باپ کے پیدا ہونا اکیلا واقعہ ہی ایسا واقعہ ہے جو آپ کو تمام اِنسانوں پر فضیلت و برتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسیطرح آپ کے معجزاتِ بیّنات بھی ایسے بے نظیر ہیں کہ کسی مذہبی رہنما نے آپ ایسے کامل ذاتی اختیار کے ساتھ مُردوں کو زندہ کرنا تو کجا کسی کی تپ بھی نہیں اُتاری۔ یہ سب خصوصیات و امتیازات اپنی اپنی جگہ پر اگرچہ بے مثال ہیں۔ تاہم میرے نزدیک آپ کا کتابِ مقدس کے مُطابق ہمارے گناہوں کے لئے مرنا اور تین دن تک دفن رہ کر

مخالفین کو اپنی موت کا کامل یقین دلا دینے کے بعد پھر قبر سے جی اُٹھنا وُہ واقعہ ہے جس کے باعث مسیح اور مسیحیت عدیم النظیر اور فقید المثال ہیں۔

مسیحیت کی ابتدا ہی سے مسیحیوں کا یہ عقیدہ و ایمان رہا ہے کہ "مسیح کتابِ مُقدّس کے مُطابق ہمارے گناہوں کے لئے مُوا"۔ (۱کرنتھیوں ۱۵:۳) جب وُہ ہمارے گناہوں کے لئے مُوا ہے تو اُس کی موت ہمارے نزدیک آہ و بُکا، گریہ زاری اور ماتم و شیون کا محض ایک واقعہ بن کر نہیں رہ گئی بلکہ اس کی موت مسیحی مذہب کی دُوسری تمام صداقتوں کا نکتہ ماسکہ (Central point) ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے اَزلی اور اپنے اطلاق (application) میں عالمگیر ہے۔ گویا یہ واقعہ انجیلی سچائیوں میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس میں اور اِنسانی نجات میں عِلّت (cause) اور معلول (effect) کا سا رِشتہ ہے (رُومیوں ۵:۶-۱۰ و ۲-کرنتھیوں ۵:۱۴) اور تمام بنی نوعِ اِنسان کا مُستقبل اِسی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اِسی واقعہ نے مسیحیوں کو وُہ قُوّت بخشی جس سے وُہ شیطانی قُوّتوں کو مغلوب کر کے بنی نوعِ اِنسان کی خِدمت کی خاطر اپنے نفوس وقف کر دیتے ہیں اِس لئے اگر

اس واقعہ کو انجیل سے قلمزد یا حذف (omit) کر دیا جائے تو انجیلِ مسیح کی تمثیلات اور کلمات کا ایک مجموعہ محض بن کر رہ جائے۔ اور پھر چونکہ المسیح کی صلیبی موت ہی گناہوں کے بوجھ تلے کراہنے اور ذرد رہ میں پڑی تڑپنے والی مخلوقات کی نجات کا واحد مدار (۱) ہے اِس لئے گنہگار کے لئے انجیل میں اِس واقعہ کے بغیر کوئی مژدہ و اُمید باقی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ المسیح کی صلیبی موت کے واقع کی خوشخبری کے بغیر انجیل۔ انجیل کہلانے کی مستحق ہی نہیں رہتی (کیونکہ انجیل کے معنے ہی خُوشخبری کے ہیں)

المسیح کی صلیبی موت کی اِس خصُوصیت، اہمیت، مرتبت اور افادیت کے پیشِ نظر اناجیل اربعہ میں سے ہر انجیل میں آں خداوند کی حیاتِ مطہرہ[2] کے دیگر تمام پہلوؤں کے مُقابل تصلیبِ المسیح کے واقع کا مفصّل و مطوّل[3] بیان پایا جاتا ہے۔

اِنسانی نجات کو بیش قیمت قُربانی سے مشروط ماننے یا منوانے کی تعلیم کا بانی مبانی مُقدّس پولوس رسول نہ تھا ـــــــ جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور دُوسرے مخالفینِ کفارہ کا خیال ہے ـــــــ بلکہ قُربانی کے ذریعے تقربِ خُدا کا خواہاں[4] ہونا اِنسان پر وحی و الہام سے منکشف[5] ہوا ہے۔ اور خُدا نے اِنسان کے

۱۔ چارہ۔ ۲۔ پاک وحی۔ ۳۔ طول سے طویل اور مطوّل بمعنی لمبا۔ ۴۔ آرزو مند ہونا ۵۔ کشف سے انکشاف اور منکشف ظاہر یا کھلا ہوتا۔

وِجدان (intuition) اور ضمیر (conscience) پر گویا یہ اعلان کندہ کر دیا ہے کہ "بغیر خُون بہائے معافی نہیں" (عبرانیوں ۹:۲۲) اس کی تاریخ جنت العدن کے پھاٹکوں سے شروع ہوتی ہے۔ یُوں کفارہ و قُربانی سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ اِنسان کا ہم عمر (as old as man) ہے۔ بلکہ اور چُوں کہ خُدا کے نزدیک زمان اور مکان کی کوئی حیثیت نہیں اِس لئے وُہ ازلی ہے۔

طوفانِ نُوح سے پہلے بنی نوعِ اِنسان کا یہی مذہب تھا اور طوفانِ نُوح کے فوراً بعد بھی (حضرت) نُوحؑ نے پہلا کام فریضۂ قُربانی کی ادائیگی ہی سمجھا اور (حضرت) نُوحؑ کے بعد (حضرت) ابراہیمؑ کو بھی قُربانی کا حُکم ہُوا اور اُس وقت سے اِنسان کی نسل میں یہ اعتقاد موروثی طور پر قائم ہے کہ "بغیر خُون بہائے مُعافی نہیں"۔ عبرانیوں ۹/۲۲

الغرض دُنیا کی مذہبی تواریخ کو سرسری نظر سے دیکھتے ہی یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہر مُلک، ہر گروہ اور ہر قوم میں الٰہی نزدیک ربانی قُربت کے لئے ایک مشترک طریق ہے ـــــ اور وُہ ہے قُربانی۔ قرآن بھی کہتا ہے۔ ولکل اُمة جعلنا منسکا "یعنی ہم نے ہر اُمت کے لئے قُربانی کرنا فرض کیا خُود جناب رسُولِ عربی (صلعم) کو بھی حکم ملا۔ انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر (سورۂ کوثر)

یعنی بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے سو اِن نعمتوں کے شُکریہ میں آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیئے اور قربانی کیجئے۔

مندرجہ مافوق بیان سے ظاہر ہے کہ قربانی کا رواج ہر قوم و ملت میں مرّوج ہے۔ پس قربانی پر ایسا عالمگیر اتحاد و اتفاق بغیر کسی غرض و غائت کے نہیں ہو سکتا۔ مسیحی علم الٰہی کی رُو سے اِس عالمگیر رواجِ قُربانی کی غائت یہ ہے کہ اِنسان یہ جان جائے کہ الٰہی شریعت کے عدول سے جو موت اُس نے کمائی ہے وُہ کسی کی جان کے مبادلہ کے پیش کئے بغیر ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ خُدا عادل ہے اور عدل کا تقاضا ہے کہ جان کے بدلے جان لے۔ اَب عہدِ شریعت چُونکہ اِنسانی رُوحانیت کے بمنزلہ بچپن اور طفولیّت کے زمانہ کے تھا۔ اِس لئے اُس دَور میں اِن کے لئے مجازی یا عارضی قُربانیاں گذراننے کا حُکم ہُوا تاکہ وُہ حقیقی و ابدی قربانی کی ضرورت و اہمیت کے حقیقی عرفان کیلئے پہلے سے تیار ہو جائیں ـــــــــ ورنہ حیوانی قربانیاں اِنسانی جان کا بدل نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی یہ الٰہی عدل کے تقاضا کو پُورا کر سکتی ہیں کیونکہ

۱۔ اگر یہ مانا جائے کہ اُن حیوانی قربانیوں سے عابد (یعنی قربانیاں گذراننے والے شخص) کو فائدہ پہنچتا ہے۔ تو الٰہی شریعت

۱۔ اُوپر درج شدہ

کے مجرم کو فائدہ پہنچانا خلافِ عقل ہے۔

(ب) اگر یہ سمجھا جائے کہ اس سے معبود (یعنی خدا یا وہ شخصیت جس کے لئے قربانیاں گذرانی جاتی ہیں) ـــ تو خدا غنی اور بے نیاز نہیں رہتا اور معاذ اللہ یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ خدا کسی سے حصولِ فائدہ کا محتاج ہے۔

(ج)۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ اس سے مذبوح (یعنی ذبح کیئے جانے والے جانور) کو فائدہ پہنچتا ہے ـــ تو یہ خیال مضحکہ خیز ٹھہرتا ہے۔ اس لئے کہ ہلاکت کسی ذی جان کے لئے فائدہ مند نہیں ہوسکتی۔

(د)۔ اور اگر یہ مانا جائے کہ قربانی سے کسی کو بھی فائدہ نہیں پہنچتا تو اس صورت میں قربانی ایک فضول اور لاحاصل فعل ٹھہرتا ہے۔

پس :-

لامحالہ حیوانوں اور جانوروں کی قربانیوں کو ایک حقیقی اور اصلی قربانی یعنی کفارۂ المسیح کی علامت و مثال ماننا پڑتا ہے۔ (عبرانیوں ۹: ۱-۱۱) ورنہ یہ صریح ظلم و تشدد کے ماسوا اور کچھ بھی نہیں۔ لیکن یاد رکھیئے کہ جب اصلی و حقیقی قربانی دے دی گئی تو مجازی قربانیوں کا حکم اُسی دن سے موقوف ہوگیا ـــــــ اور وہ جو اب بھی حیوانی قربانی کے ذریعے ہی سے خدا کا قرب و وصل اور خوشنودی ڈھونڈتے ہیں ـــ اُنہیں اختیار ہے کہ سورج کی موجودگی میں بھی مٹی کے چراغ جلاتے رہیں۔ ورنہ جب کامل آ جاتا ہے تو ناقص قدرتی طور سے جاتا رہتا ہے (۱-کرنتھیوں ۱۳: ۱۰) بائبل کے نکتۂ خیال سے وہ حقیقی اور کامل قربانی جس سے خدا عادل بھی اور رحیم و رحمان بھی ثابت رہے اور انسان خاطی و گنہگار کو نجات بھی بخشے حضور المسیح کا خدا کی راہ میں جور و ستم برداشت کرتے کرتے صلیب پر اپنی جان دے دینا ہے: "اُسے خدا نے اُس کے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو تاکہ جو گناہ پیشتر (مسیح سے پہلے) ہو چکے تھے اور جن سے خدا نے تحمل کر کے طرح دی تھی اُن کے بارے میں وہ اپنی راستبازی ظاہر کرے بلکہ اسی وقت اس کی راستبازی ظاہر ہو۔ تاکہ وہ خود بھی عادل رہے اور جو یسوع پر ایمان لائے اس کو بھی راستباز ٹھہرانے والا ہو (بمطابق رومیوں ۳: ۲۵-۲۶)

قرآنِ مجید میں حضورِ مسیح کی پیدائش، موت اور آپ کے دوبارہ مُردوں میں سے جی اٹھنے پر جو "سلام" بھیجا گیا ہے۔ مسیحی علمائے کے نزدیک اُس میں بھی یہی نکتہ مخفی ہے۔ (والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا"۔ سورۃ مریم آیت ۳۴) یعنی سلام اُس دن جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔

یہاں پر اس امر کا ذکر کر دینا مناسب ہے کہ خداوند مسیح کو صلیب دیئے جانا کا واقعہ نہ صرف دینی ہے بلکہ تاریخی بھی۔ اس لئے بالفرض اگر بائبل مقدس میں اس واقعہ کا تذکرہ نہ بھی ہوتا تو بھی مسیحیت کے کٹر مخالف یہودیوں (جنکی شرارت اور خباثت کی معراج خداوند مسیح کو صلیب دینے کا واقعہ ہے) کی تاریخ اس پر گواہ رہتی۔ پس جس طرح کہ کوئی واقعۂ کربلا کا انکار نہیں کرسکتا اسی طرح کوئی واقعہ صلیب سے بھی منکر نہیں ہوسکتا۔ پس قرآن مجید کی آیت "وما قتلوہ وما صلبوہ" کی یہی تفسیر درست ہے جو سر سید احمد مرحوم مولانا چراغ الدین جموی ایسے علمائے نے کی کہ اس آیت میں یہودیوں کے اصل مقصود کہ حضرت مسیح کو صلیب پر مار کر آپ کو توراتِ مقدس کی اس آیت کا کہ "اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اس کا قتل واجب ہو اور وہ مارا جائے اور تو اُسے درخت پر لٹکائے تو اس کی لاش رات بھر درخت پر ٹنگی نہ رہے بلکہ تو اُسی دن اُسے گاڑ دے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے" (استثنا ۲۱: ۲۲-۲۳) مصداق بنا کے آپ کے نبوی وقار اور عظمت کو صدمہ پہنچا کر آپ کو ملعون ثابت کریں۔ پس یہودیوں کے نزدیک صلیب کا نتیجہ صرف قتل ہی تھا۔ بلکہ قتل باللعنت تھا۔ اس نتیجہ کی تردید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وما لھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ" (سورہ النساء آیت ۱۵۶) یعنی یہودیوں کا مسیح کے متعلق یہ کہنا کہ ہم نے اس کو لعنت کی موت مارا" یہ اُن کی خام خیالی ہے کیونکہ درحقیقت انہوں نے اس کو لعنت کی موت نہیں مارا بلکہ خدا نے اس کو اپنی طرف اُٹھا لیا۔ قرآن مجید کے ساتھ مقدس پولس بھی متفق ہیں۔ جب آپ اس ناپاک قول کی تردید کرتے ہیں کہ "پس میں تمہیں جتاتا ہوں کہ جو کوئی خدا کی روح کی ہدایت سے بولتا ہے۔ وہ نہیں کہتا کہ یسوع ملعون ہے" ۱-کرنتھیوں ۱۲: ۳۔

پس اے محقق برادران اہل اسلام! اگر قرآن مجید کی مندرجہ بالا تفسیر کو قبول نہ کیا جائے تو ایک تاریخی واقعہ کا انکار لازم آتا ہے۔ "پس اگر ایک لفظ کے دو معنی ہوسکتے ہیں تو ہم وہی معنی اختیار کریں گے جو تاریخ کے خلاف نہیں" بحوالہ

گو انسانی نجات کے سلسلے میں مضمون لکھتے وقت ہم ایک ایسے شخص کا نام نہیں لینا چاہتے جو ہر سچی بات کا دشمن اور اپنی غیر معقولیت میں فرو جاتا گیا ہے اور یہ شخص جھوٹے سے کوئی سچی بات بھی کہہ دے تو مشتبہ ہو جاتی ہے تاہم اپنی بحث کی خاطر ہم ملّیہ معزز قارئین کو یہ متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ اس شخص نے ہندوستان میں حضور المسیح کے صلیبی واقعات کے سلسلہ میں نکولس نوٹووچ روسی سیاح کے ملحدانہ خیالات میں اپنی غیر معقولیت کا پیوند لگا کر ہندوستان میں اس خیالِ گندہ کو ایجاد بندہ بنا کر پیش کیا۔ کہ ایک دفعہ تو مسیح صلیب پر چڑھائے گئے ہر طرح کی رسوائی اور دکھ درد سہے اور صدمات کی شدّت میں غش کھا گئے حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کو مُردہ تصوّر کر لیا اور یہ ایک موت کے مطابق مصیبت اُٹھا کر دوبارہ ہوش میں آئے پھر مدت تک بیماری میں مبتلا رہے مرہم پٹی ہوتی رہی اور چنگے ہو کر ایک مرتبہ پھر کبر سنی (بڑھاپے) کو پہنچ کر موت کا مزا چکھا"۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ ہذیان جنوری، فروری و مئی اور جون ۱۹۰۳ء کے مرزائی رسالہ ریویو کے چار نمبروں میں درج کیا اور بعد ازاں مرزا صاحب کے یہی خیالات مرزائی مولوی حضرات وقتاً فوقتاً دہراتے رہتے ہیں۔ ہم مرزا صاحب اور اُن کے

NICOLAS NOTOVITCH —۱

ان خیالات کی جنہیں ہمارے راسخ الاعتقاد مسلمان بھائی بھی مردود جانتے ہیں کی تردید وقتِ عزیز کو ضائع کرنے کے مترادف سمجھتے ہوئے رجوع الیٰ المقصود کرتے ہیں۔ ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ مسیح کے کفارہ کی موت سے خُدا کا عدل اور رحم ہر دو ظاہر ہوتے ہیں۔ عدل کا تقاضا ہے کہ انسان کو اُس کی نافرمانی کی سزا ملے۔ اور اُس کے رحم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان گنہگار کو معاف کیا جائے۔ پس خُدا کا اپنی طرف سے مسیح کو انسان کے گناہوں کے فدیہ و کفارہ کے طور پر دے دینا ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس سے وہ عادل بھی رہتا ہے اور رحیم بھی۔ (رومیوں ۳: ۲۵-۲۶)
لیکن مسیح کے کفارہ کی موت بالکل بے معنی ٹھہرتی۔ اگر خداوند مسیح مُردوں میں سے نہ جی اُٹھتے۔ (۱ کرنتھیوں ۱۵: ۱۷)
پس جس طرح مسیح کے صلیبی موت کے واقعہ کا انکار ممکن نہیں اسی طرح آپ کا دوبارہ مُردوں میں سے جی اُٹھنا بھی ایسا زبردست تاریخی واقعہ ہے کہ اس کی تردید ممکن ہی نہیں۔ عقلی طور پر مسیح کی صلیبی موت اور جی اُٹھنا اسطرح ثابت ہے کہ یہ باتیں واقعات سے تعلق رکھتی ہیں اور واقعات کی سچائی کا عقلی ثبوت صرف چشم دید معتبر گواہوں کی شہادت پر مبنی ہوتا ہے۔ خداوند مسیح کے صلیبی موت

کے اور دوبارہ مُردوں میں جی اُٹھنے کے واقعات کا یہ ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ کتابِ مُقدس کے کل صحیفے، اناجیل اربعہ اور خطوطِ الرسل مع کتاب مکاشفات اس امر میں بکلی متفق ہیں۔ اور مُقدّس پولوس نے بھی اختصاراً ان متواتر معتبر شہادتوں کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ "میں نے سب سے پہلے تو وُہی بات پہنچا دی جو مجھے پہنچی تھی کہ مسیح کتابِ مُقدّس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مُوا۔ اور دفن ہُوا اور تیسرے دن کتابِ مقدّس کے مطابق جی اُٹھا اور کاتفا کو اور اس کے بعد اُن بارہ کو دکھائی دیا"۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۳-۵)
مسیح خُداوند کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا جہاں اس کی اپنی عظمت، رفعت اور الوہیت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہاں یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اب آپ نے اپنی صلیبی موت اور قیامت کے ذریعہ سے نجات کا کام مکمل کر دیا۔ اب انسان کی نجات کے انتظام میں کوئی کمی نہیں۔ اس لئے وُہ جو مسیح کی صلیبی موت اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں اُن پر سزا کا حکم نہیں۔ (رومیوں ۸: ۱-۲)۔
پس زندگی کسی مُردہ محض شخص کے وسیلے سے نہیں مل سکتی۔ سوائے اُس کے جس نے یہ فرمایا کہ "میں اس لئے آیا کہ وُہ زندگی

پائیں اور کثرت سے پائیں"۔ (یوحنا ۱۰: ۱۰)۔ اور جو بحالت بشریت اور مجسم بھی مُردوں کو زندگی بخشنے میں خُدا تعالیٰ کا وسیلہ بنا۔ (لوقا ۷: ۲۲) واذا تخرج الموتیٰ باذنی (سورۂ مائدہ آیت ۱۱۰)
یعنی جب نکال کھڑے کرتے مُردے حکم سے۔
پس مبارک ہیں وُہ لوگ جو مسیح مصلوب اور مسیح زندہ کو اپنا نجات دہندہ قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ مسیح ہمارے گناہوں کی معافی کے لئے مُوا اور ہمیں راستباز ٹھہرانے کے لئے مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ (رومیوں ۴: ۲۴-۲۵)
یاد رہے کہ اکثر غیر مسیحی لوگ عموماً اور احمدی حضرات خصوصاً ہمارے عقیدۃ الکفارہ کی ماہیت سے عدم واقفیّت کے باعث یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ "جب مسیح نے خطاکاروں کے عوض میں اپنی جان بطور مبادلہ یا کفارہ کے دے دی تو اب مسیحی آزاد ہیں کہ کفارۂ مسیح کی آڑ میں جو غلط کام بیشک کیا کریں۔ کیونکہ کفارہ ہو چکا ایسے معترضوں کو پولوس رسُول خُود ہی یہ سوال پیدا کر کے اس کا معقول جواب دے چکے ہیں۔ پڑھیئے (پولوس رسُول کا رومیوں کو خط ۶ باب آیات ۱-۴ و ۱۵-۱۸) ہم ایسے معترضین سے یہ پُوچھتے ہیں کہ ایک مریض جب مرض سے تندرست کیا گیا تو

کیا وُہ اِس لئے بار بار بیمار ہونے کی کوشش کرے کہ ادویات اور ڈاکٹر حضرات اُس کے علاج کے لئے موجود ہیں؟ ہرگز نہیں کوئی صحت یافتہ آدمی کبھی بھی دوبارہ بیمار ہونے کی خواہش نہیں کرتا اگرچہ اُس کی شفا کے سامان بکثرت موجود ہوں اور اگر کوئی اس غلط فہمی کے زیرِ اثر مسیح پر ایمان لانے کے بعد بھی دیدہ دانستہ گناہ پر دلیر ہو جائے تو مسیح کا کفارہ اسکو پناہ نہیں دیتا۔ وُہ عدالت کی سزا سے ہرگز بچ نہیں سکتا۔

"کیونکہ جن لوگوں کے دِل ایک بار روشن ہو گئے اور وُہ آسمانی بخشش کا مزہ چکھ چکے اور رُوح القدس میں شریک ہو گئے اور خُدا کے عمدہ کلام اور آئندہ جہان کی قوتوں کا ذائقہ لے چکے اگر وُہ برگشتہ ہو جائیں تو اُنہیں توبہ کے لئے پھر نیا بنانا ناممکن ہے"۔ عبرانیوں ۶: ۴۔۸) "کیونکہ حق کی پہچان حاصل کرنے کے بعد اگر ہم جان بوجھ کر گناہ کریں تو گناہوں کی کوئی اَور قربانی باقی نہیں رہی"۔ (عبرانیوں ۱۰: ۲۶)۔

اِسی طرح بعض غیر مسیحی اور مرزائی حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ المسیح کے ظہور سے پہلے کے لوگوں کی نجات کا کیا انتظام تھا۔ تو میرے نزدیک اِس کا جواب یہ ہے کہ کفارہ مسیح کے خارجی ظہور سے پیشتر کی

دُنیا اُس الٰہی انتظام پر جو اُن کی معافی و مغفرت اور نجات کیلئے خُدا نے اپنے نبیوں اور پیغمبروں کے ذریعے سے خُداوند مسیح سے پیشتر لوگوں کو بتایا۔ اُس پر وُہ ایمان لا کر نجات پا سکتے تھے۔ اور یہ انتظام سوائے خُداوند مسیح کے کفارہ کے بجز اور کیا تھا؟ جسکی مُنادی انبیاءؑ نے کی۔ (۱۔ پطرس ۱: ۹۔۱۲) چنانچہ آفرینش عالم کے اوائل ہی میں جب حضرت آدمؑ اور جنابِ حوّا نے بروئے بائبل اور ازروئے قرآن بھی "لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" کے الٰہی حکم کے خلاف شجرِ ممنوعہ کھالیا۔ تو بروئے بائبل وُہ گناہ میں گرنے کے باعث ننگے پائے گئے۔ کفارہ کی ایک علامت ملتی ہے "اور خُداوند خُدا نے آدم اور اُس کی بیوی حوّا کے واسطے چمڑے کے کُرتے بنا کر اُنہیں پہنائے"۔ (پیدائش ۳: ۲۱)۔ وُہ چمڑا یقیناً کسی جانور کو مار کر لیا گیا تھا۔ اور اُس سے اُن کی عُریانی کو جو گناہ کے باعث محسوس ہوئی تھی ڈھانیا گیا اس سے ایک طرف تو اُنہیں دکھایا گیا کہ وُہ موت جو تُم نے گناہ کرکے کمائی ہے کیا چیز ہے؟ کیوں اُنہیں موت کی کیفیت کا علم ہی نہ تھا۔ اور وُہ عبرت ناک کیفیت حیوان کی موت سے اُن پہ روشن کی گئی کہ تُمہاری موت اِس طرح سے ہوگی اور دُوسری طرف چمڑے سے خود اُن کا ننگاپن ڈھانپ کر یہ ظاہر کیا گیا کہ باوجود

تُمہارے گناہ کے مَیں خُود (خُدا) تُمہاری عُریانی کو ڈھانپوں گا۔ مگر دوسرے کی موت کے وسیلے سے جو تُمہارے گناہ کا شریک نہیں۔

"تُمہاری خلاصی فانی چیزوں یعنی سونے چاندی کے ذریعے سے نہیں ہوئی بلکہ ایک بے عیب اور بے داغ برّے یعنی مسیح کے بیش قیمت خُون سے"۔ (۱۔ پطرس ۱: ۱۸۔۱۹) پس اُس کلمۃ اللہ اور رُوح اللہ کا پاک کفارہ تمام جہان کے لوگوں کے گناہ ڈھانپ لینے کی قُدرت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی سچے دِل اپنے گناہوں کا اقرار کرکے اُنہیں ترک کرنے پر آمادہ ہو"۔ کیونکہ جو اپنے گناہ چھپاتا ہے کامیاب نہ ہوگا لیکن جو اُن کا اقرار کرکے اُن کو ترک کرتا ہے اُس پر (دیہ) رحمت ہوگی"۔ (امثال ۲۸: ۱۳)

پس اَے وطنِ عزیز پاکستان کے تمام نام نہاد مسیحی اور غیر مسیحی بھائیو اور بہنو! آج ہی اپنے کانوں سے غفلت کی رُوئی نکال کر اَور دِل اور ذہن سے سختی اور تعصب کا زنگ اُتار کر خُداوند مسیح کو اپنا شخصی نجات دہندہ مان لیں۔

"دیکھو اب قبولیت کا وقت ہے دیکھو یہ نجات کا دِن ہے"۔ (۲۔ کرنتھیوں ۶: ۲)

کیونکہ عرش سے فرش تک ایک شے بھی اَیسی نہیں جس پر موت

تسلّط نہ ہو۔ (واعظ ۱: ۴ ؛ رومیوں ۸: ۲۰)۔ "کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ"۔ یعنی جو کوئی اس زمین پر ہے فانی ہے (سورۂ رحمٰن آیت ۲۶) اور موت سے مُراد زندگی کا عدم ہے اور خُدا تعالیٰ چونکہ زندگی کا سرچشمہ ہے اس لئے خُدا کے جلال سے دُوری و مہجوری ہی موت ہے"۔ (۲۔ تھسلنیکیوں ۱: ۹) اور اس دُوری کا باعث گناہ ہے (یسعیاہ ۵۹: ۲) اور گناہ کا نتیجہ عقل کی تاریکی اور دِل کی سختی کے باعث خُدا کی زندگی سے خارج ہونا ہے۔ (افسیوں ۴: ۱۸) اب چونکہ سب انسان موت کا مزہ چکھتے ہیں۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (سورۃ العنکبوت آیت ۵۶)۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ سب اِنسان گنہگار ہیں۔ (رُومیوں ۳: ۲۳) اور اَب چونکہ اِنسان کو دیدنی مخلوقات کا سردار مقرر کیا گیا ہے۔ (پیدائش ۱: ۲۶۔۲۸) اِس لئے اِس کی ریاست یعنی مخلوقات بھی اِس کے ساتھ فنا[1] اور بطالت کے اختیار میں کر دی گئی ہے (رومیوں ۸: ۲۰)۔ پس خُدا کی ذات کے سوا ہر شئے فانی ہے۔ بقا صرف اِسی کو ہے (۱۔ تیمتھیس ۶: ۱۶)۔

اَب چونکہ خُدا تعالیٰ ازلی غیر فانی اور الباقی و القیوم ہے اس لئے فانی مخلوقات کے لئے کسی مُردہ محض شخص کے ذریعے یا وسیلہ سے خُدا کی زندگی بخش قُدرت سے مُستفید ہونا ممکن ہی نہیں۔ اِسلئے ضرور ہے

[1] نہ ہونا یا نیستی

کہ وُہ سب جو ابھی تک بُرے کاموں میں زندگی بسر کرنے کے باعث مَوت میں رہتے ہیں۔ خُدا کے لوگاس یا کلام (جسے قرآن بھی کلمتہ اللہ کہتے ہیں میں انجیل مُقدّس سے مُتفق ہے) جس کے وسیلہ سے سب چیزیں پیدا کی گئیں اور جو بشریت کے دِنوں میں بھی مُردوں کو زندگی دینے کی قُدرت رکھتا ہے ——— اور جسے مرکر جی اُٹھنے کے سبب قرآن مجید نے انّہٗ لعلمٌ للساعۃ (سورۃ زخرف آیت ۶۱) کہا ——— پر حقیقی ایمان لاکر موت اور فنا کے تسلّط سے آزاد ہوں۔ کیونکہ از رُوئے قرآن اُس نے خود فرمایا۔

والسلام علیّ یوم ولدتُ ویوم اموتُ ویوم اُبعثُ حیّاً" (سورۃ مریم آیت ۳۴) سلام ہے مجھ پر جس دِن میں پیدا ہُوا۔ اور جس دِن مروں اور جس دِن کھڑا ہوں جی کر۔

نوٹ!۔ اس زندہ مسیح سے زندگی حاصل کرنے کے لئے اگر آپ کو مزید ہدایت و راہنمائی کی ضرورت پیش آئے تو درج ذیل پتہ پر بھائی تھیل شوبرگ" بھائی برکت مسیح یا راقم السطور سے دوستانہ اور محققانہ رنگ میں مکاتبت کیجئے۔ پتہ برائے مخاطبت!۔

دی بائبل اسکول آف دی فُل گاسپل اسمبلیز آف ویسٹ پاکستان کوٹ لکھپت ماڈرن کالونی لاہور ۳۵۔